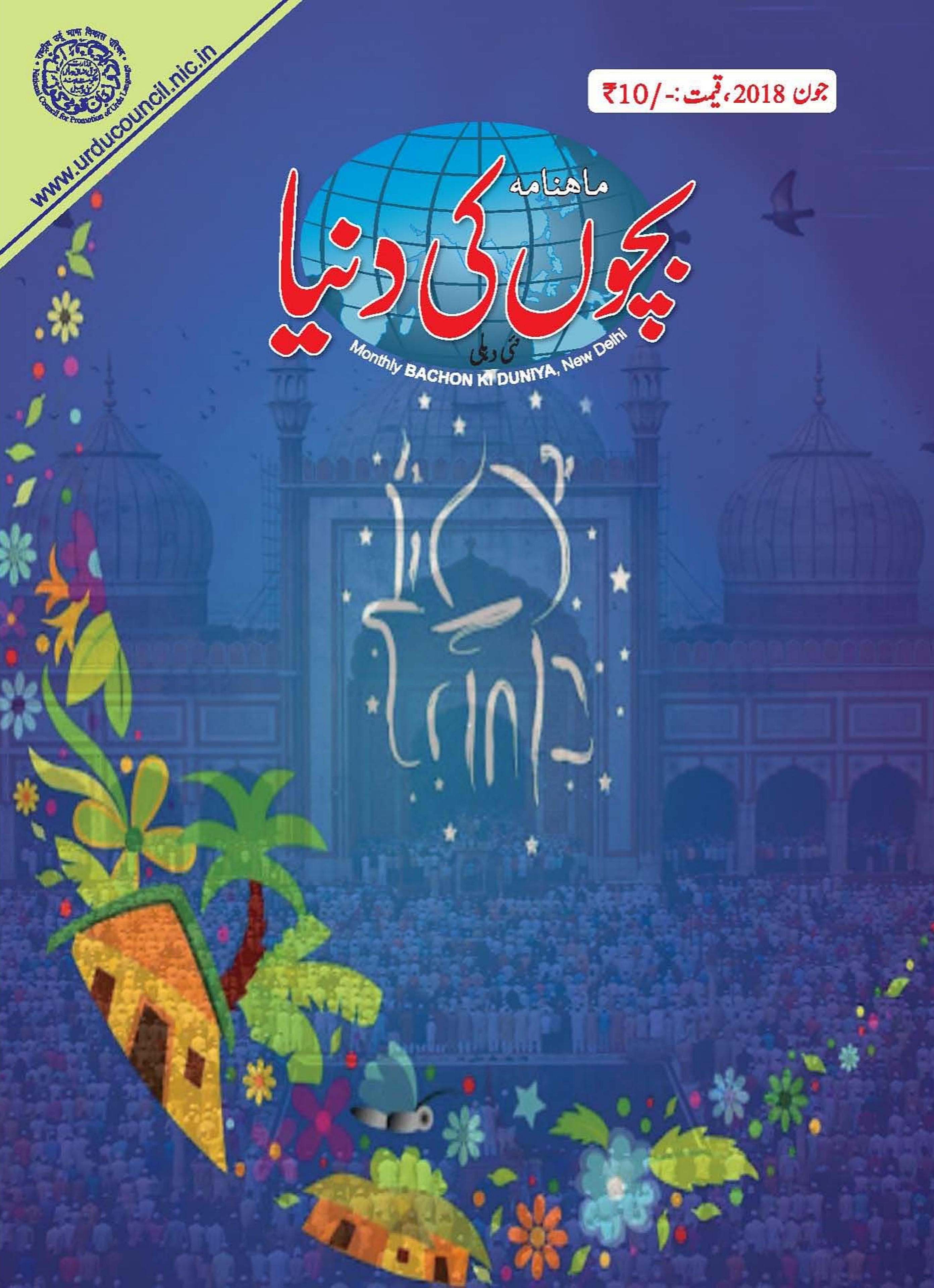
www.urducouncil.nic.in
جون 2018، قیمت :- /10₹
ماهنامه
بچوں کی دنیا
نئی دہلی
Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ

اردو دنیا

دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہنامہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے ،اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی

فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 6 شمارہ: 6 جون 2018

مدیر : پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی- 110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages:64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی- 110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، چھتہ بازار، حیدرآباد- 500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
عالمی یوم ماحول	ماحول بچاؤ	ریاض توحیدی	06
	ماحولیاتی آلودگی	مظہر حسنین	08
رمضان	روزہ اور صحت	یوسف رام پوری	12
کہانی	ریحان کی عید	عظمت انیس	14
نظم	عید کا دن	مرتضیٰ ساحل تسلیمی	18
مضمون	دنیا کے بلند پہاڑ	اقرار احمد ابرار احمد	19
نظمیں	بندر اور انسان	جمال اختر	24
	اردو زبان	اشفاق کار نجوی	25
سیر کر دنیا کی	امرتسر کے سیاحتی مقامات	ریحان حسن	26
نظمیں	بچوں کے لیے خصوصی نظم	قیوم اثر	29
	گرمی	نوشاد عالم شاد	30
	پانی	محمد کاشف غلام ربانی	30
کہانیاں	تلاش	حمید سہروردی	31
	سادگی کی کرامت	محمد کلیم ضیا	33
	آم تو آم گٹھلیوں کے دام	فیاض احمد	38
باتصویر کہانی	طوطا کہانی	محسن خان	40
قسط وار ناول	زمین کی تہ میں	شکیل صدیقی	45
کہکشاں	برازیل کا شہرۂ آفاق میوزیم	انصاری حفیظ الرحمن	52
	عقلمند گدھا	سلیم خان	54
	لفظ لفظ موتی	آسیہ پروین	55
	کیا آپ جانتے ہیں؟	منور خان جواد خان	56
	مہکتے پھول	محمد فرہاد اختر انصاری	56
ننھے فنکار	ندامت	محمد رافع ذاکر حسین	58
	زندگی کیسی لگتی ہے؟	فیضان سید شاکر	59
	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

دوستو! 'بچوں کی دنیا' کے اس شمارے کے ساتھ ہم لوگ چھٹے سال میں قدم رکھ چکے ہیں۔ ان پانچ برسوں میں آپ سب نے اس رسالے کو جس قدر پیار اور خلوص سے سراہا ہے، ہم اس کے لیے آپ کے شکر گزار ہیں۔ ہم نے 'بچوں کی دنیا' کو ہمیشہ بہتر بنانے اور اس کے معیار کو خوب سے خوب تر کرنے کی کوشش کی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بچوں کی دنیا کا دائرہ روز بہ روز وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے قارئین میں نئے نئے علاقے بھی شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ خاص طور پر جن مقامات پر اردو پڑھنے اور جاننے والوں کی تعداد کم ہے وہاں بھی 'بچوں کی دنیا' پڑھا جا رہا ہے۔ اس طرح 'بچوں کی دنیا' کے ذریعے اردو زبان کے فروغ کا سلسلہ جاری ہے اور یہ ہمارے لیے نہایت خوشی اور فخر کی بات ہے۔

آپ سب کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ کئی بزرگ قلم کار بھی 'بچوں کی دنیا' کے لیے خاص طور سے اپنی تخلیقات بھیجتے رہے ہیں۔ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ دوسرے ملکوں کے بزرگ قلم کاروں کی تحریریں بھی ہمیں موصول ہو رہی ہیں۔ ہم اِس کے لیے ان سب کے شکر گزار ہیں۔

دوستو! یہ شمارہ جون کا ہے اور آپ سب کو پتہ ہے کہ جون میں شدت کی گرمی ہوتی ہے اور یہ موسم چھٹیوں کا ہوتا ہے۔ اسکول بھی بند ہو جاتے ہیں۔ ان چھٹیوں کا الگ ہی مزہ ہے۔ امتحانات کے بعد جب چھٹیاں ہوتی ہیں تو بڑی راحت کا احساس ہوتا ہے لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ چھٹیاں صرف سیر و تفریح کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ ان چھٹیوں کو بہتر کاموں کے لیے ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے ادارے ایسے موقعے پر سمر کلاسز کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ اِن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے تو آپ کا کریئر روشن ہو سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ گھومنا پھرنا ہی چھوڑ دیں۔ یہ بھی ضروری ہے لیکن ہم سب کو اپنی اپنی سطح پر کچھ نہ کچھ کوشش سماج کی بہتری کے لیے بھی کرنی چاہیے، مثلاً اگر سڑک کے کنارے آپ کا مکان ہے تو آپ گرمی کے دنوں میں باہر ٹھنڈے پانی کا مٹکا رکھ سکتے ہیں جو اُس سڑک سے گزرنے والوں کے کام آئے گا۔ اسی طرح چرند و پرند کے پینے کے لیے پانی اور دانہ رکھ دیں۔ اور ہاں سب سے اہم بات اپنے آس پاس کے ماحول کو درست رکھنے کے لیے درخت لگائیں۔ درختوں اور جنگلوں کی کٹائی ماحولیات کے توازن کو بگاڑنے کی اہم وجہ ہے۔ ان درختوں سے ہمیں جہاں پھل ملتے ہیں وہیں آکسیجن بھی حاصل ہوتی ہے۔ درخت ہمیں گھنی چھاؤں بھی دیتے ہیں۔ درختوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اِس لیے آپ سب ان چھٹیوں میں کم سے کم دو تین پودے ضرور اپنے آس پاس کی خالی زمینوں پر لگائیں۔ یہ بہت نیکی کا کام ہے۔ جب تک درخت ہرا بھرا رہے گا آپ کو اِس کا اجر ملتا رہے گا۔ اگر ساری دنیا میں پیڑ لگانے کی ایک مہم چھیڑ دی جائے تو گلوبل وارمنگ اور ماحولیاتی آلودگی جیسے مسائل سے آسانی سے نمٹا جا سکتا ہے۔

اب آپ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کریں۔ اِس شمارے میں ماحولیات کے عالمی دن سے متعلق کچھ تحریریں ہیں، ساتھ ہی عید کی مناسبت سے کہانی اور نظم بھی شامل کی گئی ہے۔ 'بچوں کی دنیا' کے بارے میں آپ اپنے تاثرات لکھیں۔ یہ آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ اسے ہم آپ کی پسند کے مطابق ہی سنوارتے سجاتے ہیں۔ آپ بھی کو رمضان اور عید سعید کی ڈھیر ساری مبارکباد!

آپ کا

(دستخط)

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

بچوں کی دُنیا کا فروری کا شمارہ اپنی پوری شان وشوکت اور آب وتاب کے ساتھ ہمیں موصول ہوا۔ پچھلے سبھی شماروں کی طرح اس شمارے کی سبھی کہانیاں ،دوسرے مضامین، نظمیں دلچسپ اور معلوماتی ہیں ۔ اس شمارے میں میرا ڈرامہ 'غلط فہمی' شامل ہے جس کا میں تہہِ دل سے شکر گزار اور ممنون ہوں۔ جولائی 1978 میں 'کھلونا' میں میری کہانی 'اُڑن کھٹولا' شائع ہوئی تھی اس شمارے کے سرورق پر چار لڑکوں کی تصویریں تھیں جن کو ہم نے اپنے چاروں بھائیوں کا نام دیا تھا۔ اتفاق سے اس شمارے کے سرورق پر دو بچوں کی تصاویر ہیں جن کو اب ہم نے اپنے بچوں کا نام دیا ہے۔ شکریہ

افتخار انیس حمیدی، (صدر سردار حمیدی تعلیمی وسماجی مشن) 196، چلہ، امروہہ (یوپی)

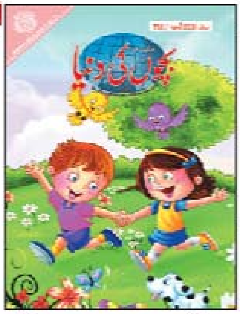

یہ رسالہ ان لوگوں کے لیے انمول ہے جن کو اردو ادب سے بے حد لگاؤ ہے۔ اس سے ہمارے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ ہمیں ان تمام ہستیوں اور رہنماؤں کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے جن کے بارے میں ہم نے سنا بھی اور پڑھا بھی نہیں تھا۔ اس کے آخر میں 'اقوالِ زرّیں' دیے ہوئے ہیں جو مجھے بے حد پسند ہیں جس میں زندگی کی ترجمانی، اخلاق، انسانی حقیقت جیسی تمام چیزوں کی جانکاری ہوتی ہے اور آخر میں 'آؤ اردو سیکھیں' کا سلسلہ بہترین ہے۔ میری خواہش ہے کہ میری ہندو بہنیں ماہ نامہ 'بچوں کی دنیا' خریدیں اور اس سے اردو سیکھیں۔ میں ادیب کا امتحان دے چکی ہوں اور اب میں نے ادیب ماہر کا فارم بھی بھر دیا ہے۔ مجھے یہ رسالہ بے حد پسند ہے۔

شبھرا راج جائسوال، درجہ 11، آدشکتی فاؤنڈیشن سینٹر مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

درس وتدریس سے وابستگی کی وجہ سے مجھے مطالعے کا بے حد شوق ہے۔ آپ کے تمام رسالے میں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ ہمارے اسکول کی لائبریری میں آپ کے سارے شمارے موجود ہیں۔ مطالعے کے گھنٹے میں طلبا بھی بڑے شوق سے آپ کے رسالوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ گھروں میں بھی والدین سے رسالے خریدنے کی ضد کرتے ہیں اور والدین ان کی اس خواہش کو پورا بھی کرتے ہیں۔ ماہ ستمبر 2017 میں ایک تحریر 'انمول تحفہ' پڑھنے کو ملی۔ بہترین تحریر اور اندازِ بیان کے لیے میں محترمہ ڈاکٹر شاہین فاطمہ، اورنگ آباد (مہاراشٹر) کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

خان محمد یاسر، صدر مدرس، محسن احمد اردو پرائمری اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

میں ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کا ہر ماہ مطالعہ کرتی ہوں اور بہت ساری کہانیاں اور قصے اور سائنسی و عام معلومات کو بچوں کے ساتھ شیئر کرتی ہوں۔ بچے بہت غور سے سنتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ ماہ فروری 2018 کی کہانیاں بھی بہت سبق آموز تھیں۔ جیسے 'مدد'، 'سبق'، اور 'چالاک کون چور یا سپاہی' اس طرح کی کہانیوں کی وجہ سے بچوں میں اس رسالے کا مطالعہ کرنے کا شوق بڑھتا جارہا ہے اور یہ رسالہ بچوں کا پسندیدہ رسالہ بن گیا ہے۔

شیرین بانو محمد شفیع احمد، مددگار معلمہ، محسن احمد اردو ہائی اسکول، مہاراشٹر

ریاض توحیدی

ماحول بچاؤ

آدم زاد کے قدموں کی آہٹ محسوس کرتے ہی سارا جنگل سائیں سائیں کرنے لگا۔ خوف کے مارے پیڑ پودوں کی جان ہی نکل رہی تھی۔ آدم زاد کے کلہاڑے کی ضرب جب معصوم بوٹے کے تنے پر پڑی تو نوجوان بوٹوں کی چیخ پکار سے بوڑھے دیودار اور کائیرو کی مضبوط شاخیں بھی خوف سے لرز اٹھیں۔ آدم زاد کے بے رحم ہاتھوں سے جنگل کا صفایا ہوتے دیکھ کر جنگل کے چرند و پرند بھی دکھی ہو رہے تھے کیونکہ انھیں بھی اپنے ٹھکانے ختم ہوتے نظر آرہے تھے۔ کلہاڑے کی آواز سے کائیرو پر بیٹھی مینا کا دل غم سے ڈوبتا جا رہا تھا۔ دیودار پر بیٹھے طوطے نے جب مینا کی پریشان صورت دیکھی تو وہ اس خطرے کو ٹالنے کے بارے میں سوچتے ہوئے مینا سے گفتگو کرنے لگا:

طوطا: کیوں بغل میں چونچ دبائے مایوس بیٹھی ہے؟

مینا: تمھیں کیا موسم کی تبدیلی کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔

طوطا: احساس کیوں نہیں ہے۔ اس جھلتی گرمی نے ہمارے کتنے ہی ہم جنس مار ڈالے، مگر ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔

مینا: وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں، لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔

طوطا: یہ انسان کتنا لالچی بن گیا ہے۔ سارا ماحول بگاڑنے پر تلا ہوا ہے۔

مینا: ہاں اب تو اس پولیوشن میں سانس لینی بھی مشکل ہو رہی ہے۔

طوطا: سانس ہی کیا، جب سے اس نے جنگلوں کا کٹاؤ شروع کر دیا ہے۔ تب سے موسم بھی آگ برسا رہا ہے۔

مینا: اور پانی بھی ختم ہو رہا ہے۔

طوطا: ہاں، لیکن کچھ نہ کچھ تو سوچنا پڑے گا۔

مینا: وہی تو میں کہہ رہی ہوں۔

طوطا: وہ دیکھو، کبوتر آرہا ہے۔ اسی سے پوچھ لیتے ہیں۔ یہ ہمیشہ اچھا مشورہ دیتا ہے۔

مینا: ہاں ٹھیک ہے۔

طوطا: رکو رکو کبوتر بھائی۔ تم سے ایک مشورہ کرنا ہے۔

کبوتر: اچھا ٹھیک ہے بتاؤ۔

طوطا: ویسے تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ انسان کے ہاتھوں ماحول خراب ہو رہا ہے۔ اس لیے انسان کو سمجھانے کا کوئی طریقہ بتاؤ تاکہ وہ جنگل کاٹنے سے بھی رک جائے اور نئے پیڑ بھی لگائے۔

کبوتر: بے شک یہ انسان اب اتنا لالچی اور ناسمجھ بن گیا ہے کہ جنگلوں کا صفایا کرتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتا ہے کہ پیڑ پر کلہاڑی چلانا خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانے کے برابر ہے۔

طوطا: جی کبوتر بھائی، آپ نے صحیح کہا لیکن ہمیں تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا کیونکہ ہم بھی تو اسی ماحول میں سانس لیتے ہیں۔ ماحول صاف رہے گا تو ہماری زندگی بھی خوشحال رہے گی۔

کبوتر: جی ٹھیک ہے طوطا چاچا۔ میں اکثر انسانوں کی بستی میں ہی رہتا ہوں۔ کچھ نہ کچھ سوچتا ہوں۔

مینا: تو جلدی سوچو کبوتر راجا، تاکہ ہم سب کے ساتھ ساتھ انسان کا بھی بھلا ہو سکے۔

کبوتر: مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔

مینا: ہاں بولو بولو۔

کبوتر: ہمیں کوئے سے بھی مدد لینی پڑے گی۔

طوطا: کس لیے؟

کبوتر: وہ جنگل سے ایک چھوٹا بوٹا اٹھائے گا اور میرے ساتھ بستی چلے گا۔

مینا: اس سے کیا ہوگا۔

کبوتر: ہم روز انسان کے صحن میں بوٹے لے کر جائیں گے اور جونہی اس کا چھوٹا بیٹا صحن میں کھیلنے کے لیے آئے گا تو کوا گڑھا کھودنا شروع کرے گا اور میں اس میں پودا لگا دوں گا۔

طوطا: کیا اس طرح سے وہ تمہارا مقصد سمجھ پائے گا۔

کبوتر: جی وہ میرے بہت سے اشارے سمجھتا ہے اور مجھے روز دانے بھی ڈالتا ہے۔ جب ہم کئی دن تک یہی کام کریں گے تو وہ سمجھ جائے گا اور شاید انسان پھر سے پیڑ اگانا شروع کر دیں۔

طوطا: ہاں یہ ترکیب ٹھیک رہے گی۔ امید پر ہی تو دنیا قائم ہے۔

مینا: اب جلدی کوے کو بلاؤ تاکہ ہمارا ماحول پھر سے ٹھیک ہو جائے۔ نہیں تو زمین سے زندگی ختم ہو جائے گی۔

کبوتر: جی اب میں جا رہا ہوں اور کوے کے ساتھ مل کر یہ نیک کام شروع کروں گا۔

طوطا: اچھا جاؤ لیکن کام جلدی شروع کرنا اور اگر ہماری بھی ضرورت پڑے گی تو بتا دینا۔

مینا: ہاں میری بھی دعائیں ساتھ رہیں گی۔

تھوڑی ہی دیر میں کبوتر اور کوا چونچ میں بوٹے لیے بستی کی جانب پرواز کر رہے (اڑ رہے) تھے اور طوطا مینا خوشی سے اپنے پر پھڑ پھڑا رہے تھے۔ پرندوں کے اس ماحول بچاؤ مشن سے جنگل کے مایوس پیڑ پودوں کی شاخیں بھی خوشی سے جھوم اٹھیں۔

■

Reyaz Tauheedi
Wadipora Handwara
Kupwara - 193221 (Kashmir)

مظہر حسنین

ماحولیاتی آلودگی

ماحول کی حفاظت کے لیے ہرسال اقوام متحدہ کے زیر اہتمام 5جون کو ماحولیات کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس کی شروعات 1974 میں کی گئی۔ عالمی یوم ماحولیات منانے کی روایت کو44 برس ہو رہے ہیں۔ دنیا بھر کے 100سے زائد ممالک میں یہ دن بڑے جوش و خروش سے منایا جا تا ہے۔ یوم ماحولیات منانے کا مقصد عوام کو ماحول کے تحفظ کے لیے بیدار کرنا ہے، موسمی اثرات اور اس سے پیدا ہونے والی ماحولیاتی تبدیلیوں سے عوام کو آگاہ کرنا ہے۔ کیونکہ پوری دنیا کو اس وقت ماحولیاتی آلودگی کا سامنا ہے۔

ماحول کا انسان کی زندگی سے گہرا رشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے دنیا میں بے شمار چیزوں کو پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کے استعمال کے کچھ اصول طے کیے ہیں۔ انسان اگر ان چیزوں کو اصول کے مطابق استعمال کرتا ہے تو وہ اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے لیکن انسان اس کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس سے نقصان ہوتا ہے۔ آج انسان نے ترقی کے لیے جو کوششیں کی ہیں گرچہ وہ بہت اہم ہیں لیکن اس کے برے نتیجے بھی سامنے آتے رہے ہیں۔ چنانچہ جہاں بہت سارے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، وہیں ایک اہم مسئلہ آلودگی بھی ہے۔ انسان کی صحت کے لیے بہتر ماحول کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن انسان کی لاپرواہی اور زندگی کی چکاچوندھ نے اس طرف سے انسان کی توجہ ہٹادی ہے۔

ماحولیاتی آلودگی انسان کے اخلاقی، ثقافتی، تعلیمی، معاشرتی اور معاشی زوال کے ساتھ براہ راست جڑی ہوئی ہے۔ ماحولیاتی آلودگی کی سب سے بڑی وجہ صنعت کاری کا فروغ، پیڑ پودوں اور جنگلات کا تیزی سے ختم ہونا، شہروں کی آبادی کا تیزی سے بڑھنا، اسی طرح غذائی ضرورت کی کمی پوری کرنے اور فصلوں کی پیداوار بڑھانے کے لیے کھادوں، کیڑے مار

دواؤں کا استعمال، جڑی بوٹیوں کو ختم کرنے والی دواؤں اور اسپرے کا استعمال ہے۔

انسانی صحت کے لیے کھلی فضا اور صاف ستھری آب وہوا بہت ضروری ہے لیکن اس ترقی یافتہ دور میں انسان کو نہ صاف ہوا میسر ہے اور نہ ہی کھلی فضا۔ اس بھاگ دوڑ کی زندگی میں انسان آلودہ فضا میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اس سے انسان نہ صرف بے شمار بیماریوں کا شکار ہو رہا ہے بلکہ ذہنی انتشار و بے چینی میں بھی مبتلا ہو رہا ہے۔ بڑھتی ہوئی ماحولیاتی آلودگی کی سب سے بڑی وجہ فضائی آلودگی ہے۔

کیمیائی طور پر تیار کی گئیں اشیا اور دیگر مختلف قسم کے کچرے کو جب ملایا جاتا ہے تو اس سے نکلنے والا دھواں ماحولیاتی آلودگی کا باعث بنتا ہے اور اس سے نکلنے والی زہریلی گیس سے کینسر، پھیپھڑوں، جلد اور گلے وغیرہ کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

ریسرچ کے مطابق کچرے کے ڈھیروں سے بے شمار زہریلی گیسیں نکلتی ہیں۔ ہندوستان، پاکستان اور انڈونیشیا کے ممالک جو دنیا کا تقریباً پانچواں حصہ بنتا ہے، اس سے زیادہ متاثر ہیں۔ ماہرین کے مطابق ماحولیاتی آلودگی کے سبب زہریلا مادہ خون میں مل کر شکمِ مادر میں پلنے والے بچے کی ذہنی نشوونما کے لیے خطرہ ہے۔ میسا چوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی سے وابستہ اسٹیون بیرٹ کا کہنا ہے کہ گزشتہ 10 سے 15 برسوں کے اعداد و شمار سے ثابت ہوا ہے کہ فضائی آلودگی سے شرح اموات میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ سڑکوں پر رواں دواں دھواں اڑاتی ہوئی گاڑیاں فضائی آلودگی بڑھا رہی ہیں۔ بجلی کی پیداوار کے لیے استعمال کیے جانے والے ذرائع بھی فضائی آلودگی بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں جو لوگوں کو وقت سے پہلے ہی موت کی جانب دھکیل رہے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ بجلی کی پیداوار کے لیے قدرتی ذرائع استعمال کیے جائیں تاکہ ماحولیاتی آلودگی کم ہو سکے۔

موسمی تبدیلی کی وجہ سے مختلف ممالک میں طوفانی بارشوں، سیلابوں اور سمندری طوفانوں سے ہونے والے نقصانات میں اضافہ ہو رہا ہے اور کہیں قحط تو کہیں سیلاب کی صورت حال دکھائی دے رہی ہے۔ یہ سب در اصل گلوبل وارمنگ کا نتیجہ ہے۔ آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے زراعت متاثر ہو رہی ہے اور خوراک کی کمی بھی بڑھ رہی ہے۔ سڑکوں پر دھواں اڑاتی گاڑیاں، کارخانوں کی دھواں اگلتی چمنیاں، کیمیکل پلانٹس سے نکلنے والا زہریلا پانی گرین ہاؤس گیسوں کے خاتمے کی وجہ بن رہا ہے۔ بڑے پیمانوں پر جنگلات کی کٹائی کرۂ ارض کا توازن بگاڑنے کی وجہ ہے جب کہ یہی درخت فضا میں موجود کاربن گیسوں کو دوبارہ آکسیجن میں تبدیل کرتے ہیں۔

ماحولیاتی آلودگی کی کئی ایک اقسام ہیں۔ مثلاً زمینی آلودگی، آبی آلودگی، ہوائی آلودگی، شعاعی آلودگی اور صوتی آلودگی وغیرہ۔ دنیا میں ماحولیاتی آلودگی میں تیزی سے اضافے کی ایک بڑی وجہ جنگلات کی مسلسل کٹائی بھی ہے۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ ہر سال دنیا بھر میں تقریباً تیرہ ملین ہیکٹر رقبے پر پھیلے جنگلات کاٹے جا رہے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی پر قابو پانے کے لیے جنگلوں کے کاٹے جانے پر روک لگائی جانی چاہیے اور شجر کاری (درخت لگانے) کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جانا چاہیے۔ جنگلات کی کٹائی کی وجہ سے عالمی تپش میں روز بروز خطرناک اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ فضائی، زمینی، شعاعی،

آبی، صوتی کی آلودگی بڑھ رہی ہے۔ جنگلات کی کٹائی سے زمین کا درجہ حرارت بڑھ رہا ہے، جس سے گلیشیر پگھل رہے ہیں اور زمین کی سطح متاثر ہو رہی ہے، یعنی گرین ہاؤس کے اثرات سے قطبین پر جمی برف پگھلنے لگی ہے جس سے سمندر کی سطح بلند ہو رہی ہے۔ ہم میں سے اکثر اس بنیادی حقیقت سے آگاہ ہیں کہ زمین کے تین چوتھائی حصے پر پانی ہے۔ صرف ایک حصہ خشکی ہے۔ زمین پر پائے جانے والے پانی میں سے 97 فیصد پانی سمندروں میں پایا جاتا ہے جبکہ باقی تین فیصد میں سے 2 فیصد گلیشیئرز میں اور ایک فیصد دریاؤں، جھیلوں اور ندیوں وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ اب اگر قطبین پر جمی برف پگھلنے لگی ہے تو اس سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ دنیا میں کتنی تباہی آئے گی۔

اس لیے ماحولیات کے ماہرین ماحول میں ہونے والی منفی تبدیلیوں کے تحفظ کے لیے درج ذیل اقدامات کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ جس قدر زیادہ ممکن ہو شجرکاری کی جائے، فیکٹریوں اور گھروں کی گندگی پانی میں نہ پھینکی جائے، زہریلے دھوئیں کے اخراج پر کنٹرول کیا جائے۔ پولی تھین بیگوں کا استعمال کم سے کم اور ری سائیکلنگ اشیا کا استعمال کیا جائے تاکہ کچرا بننے کے امکانات کم سے کم ہوں۔

ماحول کے تحفظ کے لیے ماحولیات کا عالمی دن ہر سال 5 جون کو منایا جاتا ہے۔ اب ہم ماحولیات کے عالمی دن کے حوالے سے یہ جائزہ لیتے ہیں کہ ماحولیات کے بارے میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں۔ سب سے پہلی بات دین اسلام دین فطرت ہے۔ اس لیے فطری ماحول کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمدؐ کی تعلیمات میں درختوں کو کاٹنے کی واضح ممانعت آئی ہے۔ حتیٰ کہ حالت جنگ میں بھی درخت کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگر کسی نے ایک پودا لگایا اس پودے کو انسان اور جانور جب تک کھاتے رہیں گے یا اس سے انسانوں کو فائدہ ملتا رہے گا تو اس کا اجر اس شخص کو ملتا رہے گا۔"

ماحول سے مراد انسان، حیوانات، پرندے، کیڑے، مچھلیاں اور درختوں سمیت کائنات کا ہر جاندار وجود ہے بلکہ اس میں بے جان بھی شامل ہیں۔ جانداروں کی زندگی کو جو

خطرات ہیں جن سے ان مختلف انواع کی بقا کو خطرہ ہے۔ ماحول کا تحفظ کتنا ضروری ہے؟ اور یہ کس کی ذمہ داری ہے؟ ان کا تحفظ انسان کی ذمہ داری ہے کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس کے علاوہ کائنات کے توازن کو بگاڑنے کا سب سے زیادہ ذمے دار بھی انسان ہے۔ اس لیے ماحولیاتی آلودگی کو روکنے کے لیے انسان کو سنجیدگی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

ماحولیاتی آلودگی پر کنٹرول نہ کر پانے والے ممالک میں ہمارے وطن عزیز ہندوستان کا مقام چوتھے نمبر پر ہے۔ گرین انڈیکس کی رپورٹ کے مطابق ماحولیاتی آلودگی کو روکنے میں ناکام رہنے والے ممالک کی درجہ بندی میں ہندوستان چوتھے نمبر پر ہے۔

ورلڈ اکنامک فورم کی طرف سے جاری انوائرنمنٹ پرفارمنس انڈیکس (ای پی آئی) کی تازہ رپورٹ کے مطابق ہندوستان کو 180 ممالک کی فہرست میں 177 ویں درجہ پر رکھا گیا ہے جبکہ پاکستان 169 ویں مقام پر ہے۔ اس فہرست میں ہندوستان اور بنگلہ دیش کو آخر کے درجے حاصل ہوئے ہیں۔ ای پی آئی نے یہ فہرست ماحولیاتی صحت اور ماحولیاتی نظام کو بہتر بنانے کی کوششوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار کی ہے۔

رپورٹ کے مطابق ہندوستان، پاکستان اور چین کے زیادہ تر لوگ ماحولیاتی آلودگی کا شکار ہو رہے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ماحولیاتی آلودگی کے اسباب میں خراب ہوا سب سے اہم ہے۔

■

Mazhar Hasnain
30-T, Sector 7, Jasola Vihar
New Delhi - 110025

جوابات

یوسف رام پوری

روزہ اور صحت

اسلام نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر بھرپور توجہ دی ہے اور اصول وضابطے بھی پیش کیے ہیں۔ چونکہ انسانی زندگی کے شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ صحت ہے، اس لیے اسلام نے انسانی صحت سے متعلق بھی ایک جامع نظام پیش کیا ہے۔ تا کہ انسان صحت مند زندگی بسر کرے اور مختلف قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہے۔ صحت سے متعلق اسلام نے اپنے ماننے والوں کو پاکی کا تصور اس طور پر دیا کہ پاکی کو نصف ایمان قرار دے دیا۔ فرمایا گیا: ”الطهارة نصف الايمان“۔ پاکی وصفائی وہ چیز ہے جو پورے سماج اور ماحول کو صحت بخش رکھتی ہے۔ پاکی وصفائی اختیار کرنے کی صورت میں انسانی زندگی ہزار ہا قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ گویا کہ پاکی تمام انسانوں کے لیے لازمی ہے اور اس سے کسی بھی صورت میں لاپرواہی نہیں برتی جاسکتی۔ پاکی کو ایمان کا حصہ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان پاکی کا اسی طرح خیال کریں جس طرح اپنے ایمان کا خیال ودھیان رکھتے ہیں۔

صحت کے لیے ایک اور چیز جو بنیادی اہمیت کی حامل ہے وہ روزہ ہے۔ روزے کے جہاں اخلاقی، مذہبی اور روحانی فائدے ہیں، وہیں اس کے طبی اور جسمانی فائدے بھی ہیں یعنی روزہ انسان کے روحانی نظام کو بھی درست وچست رکھتا ہے اور اس کے جسمانی نظام کو بھی۔

حکیموں کا خیال ہے کہ معدے کی خرابی سے سیکڑوں ہزاروں بیماریاں وجود میں آتی ہیں، اس لیے معدے کو صحت مند رکھنے کی فکر کرنا اور کوشش کرنا بہت ضروری ہے۔ معدہ اسی وقت درست رہ سکتا ہے جب اسے مناسب غذا فراہم کی جائے اور کھانے پینے میں احتیاط سے کام لیا جائے، اسی لیے بزرگان دین کم کھاتے تھے اور کم کھانے کی تلقین بھی کرتے تھے تاکہ معدہ چست ودرست رہے۔ معدے کے درست اور صحت مند رہنے کی حکمت عملی یہ ہے کہ جب معدے کا نظام اپنی جگہ ٹھیک رہے گا تو وہ بیماریاں جو معدے کی خرابی کے باعث پیدا ہوتی ہیں، ان سے نجات حاصل رہے گی۔

معدے کے نظام کو درست رکھنے کے جو طریقے بیان کیے جاتے ہیں، ان میں 'روزہ' نہایت بہتر طریقہ ہے۔ کیونکہ جب انسان روزہ رکھتا ہے تو وہ پورے دن نہ کھاتا ہے، اور نہ پیتا ہے یعنی دن بھر اس کے معدے کو آرام حاصل ہوتا ہے اور آنتوں کو بھی۔ ظاہر ہے کہ ہر عضو کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ہر عضو کچھ وقت کام کرنے کے بعد تھکاوٹ محسوس کرتا

ہے۔اسی طرح فطری طور پر معدہ بھی راحت چاہتا ہے کہ کچھ وقت ایسا اسے ملے کہ ہاضمے کے لیے وہ زیادہ دباؤ میں نہ ہو۔بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کھاتے پیتے رہتے ہیں، یا اتنا مرغن کھانا کھاتے ہیں کہ وہ آسانی اور جلدی سے ہضم نہیں ہوپاتا، لیکن ابھی وہ ہضم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کچھ اور کھالیتے ہیں۔اس طرح مسلسل مرغن یا زیادہ کھانے کی وجہ سے نظام ہضم خراب ہونے لگتا ہے اور بیماریاں پنپنے لگتی ہیں۔جن لوگوں کا ہاضمہ اچھا ہو، انھیں بھی ہر وقت کھانے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ زیادہ کھانا ہضم کرنے کے بعد موٹاپا آنے لگتا ہے، چربی بڑھنے لگتی ہے۔آگے چل کر ایسے لوگوں کو کالسٹریل کی بیماری ہونے لگتی ہے۔زیادہ وزن والے لوگ نہ زیادہ چل پاتے ہیں، نہ کام کر پاتے ہیں اور نہ ہی چست رہ پاتے ہیں۔

ماہ رمضان المبارک کے مسلسل تیس دن کے روزے ان لوگوں کے لیے بڑے فائدے مند ثابت ہوتے ہیں جن کا نظام ہضم خراب ہو چکا ہوتا ہے، یا جن کا وزن بڑھ چکا ہوتا ہے یا جو کالسٹرول جیسی بیماریوں کے شکار ہوجاتے ہیں۔جب تیس یا انتیس دن کوئی شخص اپنے کھانے پینے پر کنٹرول رکھتا ہے اور آنتوں اور معدے کو آرام دیتا ہے تو اس کا معدہ نیچرل طریقے سے صحت مند ہونے لگتا ہے، ایسے ہی جسم پر چڑھنی والی چربی بھی پگھلنے لگتی ہے۔

اس طرح ماہ رمضان میں کئی کلو وزن گھٹنے کے پورے امکانات ہوتے ہیں۔کئی لوگوں کا واقعی ماہ رمضان میں وزن کم ہوجاتا ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ افطار کرنے کے بعد بد احتیاطی کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور روزے کے بعد بھی کھانے پینے میں احتیاط سے کام لیا جائے۔بعض لوگ افطار میں اتنا کھاتے ہیں اور افطار کے بعد بھی کھانے پر اس طرح ٹوٹتے رہتے ہیں کہ وہ دن بھر کے کھانے پینے کی کمی کو پورا کرلیتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ معدے میں کھانے کا اسٹاک کرلیتے ہیں۔افطار میں تیل کی پکی اور بھنی ہوئی بہت سی چیزیں دستر خوان پر ہوتی ہیں۔پھل ہوتے ہیں، مشروبات ہوتے ہیں، ان سب کو نوش کرتے ہیں، پھر مغرب کی نماز کے بعد اور عشا کے بعد بھی کھانے کا عمل جاری رکھتے ہیں، سحری میں بھی اتنا کھاتے ہیں کہ آدھے دن تک کھٹی ڈکاریں آتی رہتی ہیں۔ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں روزے کے طبی فائدے کیسے حاصل کیے جاسکتے ہیں، کیسے وزن کو گھٹایا جاسکتا ہے اور کیسے کالسٹریل یا جسم میں جمنے والی چربی کو پگھلایا جاسکتا ہے۔

افطار اور سحری دونوں ہی اعمال اسلام میں مسنون اور اہمیت کے حامل ہیں اور اپنے اندر جسمانی فائدے رکھتے ہیں۔ افطار میں کچھ کھانے سے جسم کو وہ قوت حاصل ہوجاتی ہے جو روزے کے دوران خرچ ہوتی ہے۔یعنی اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کمزور نہ ہو، اس لیے افطار کرنے کو کہا گیا۔اسی طرح سحری کا معاملہ ہے۔کیونکہ سحری کھانے کے بعد روزہ دار کے پاس اتنی طاقت جمع ہوجاتی ہے کہ روزہ رکھنے کے دوران روزہ دار زیادہ کمزور نہ ہوا ور وہ اس دوران ہونے والی کمزوری کو برداشت کرسکے۔لیکن افطار اور سحری کے جسمانی فوائد اسی وقت حاصل ہوسکتے ہیں جب کہ ان میں بے احتیاطی نہ کی جائے۔نہایت خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو رمضان کے پورے روزے رکھتے ہیں اور ماہ رمضان کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے روحانی اور جسمانی طور پر تندرست رہتے ہیں۔

■

Dr. Yusuf Rampuri
Mahalla: Tandola
Tanda, Rampur - 244925 (UP)

عظمت انیس

ریحان کی عید

عید کا دن تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان رنگ برنگے کپڑے پہنے کیا خوب لگ رہے تھے۔ گھروں سے نکلنے والے میٹھے پکوان کی خوشبوؤں نے فضا میں اک عجیب سی چاشنی گھول رکھی تھی۔ چاروں طرف خوشیوں کا ماحول تھا۔

البتہ ریحان کے گھر میں عام دنوں جیسا ماحول تھا۔ وہ بے حد غریب گھرانے کا لڑکا تھا۔ اُس کے ابو تین چار سال قبل ایک حادثے میں کچھ لوگوں کی جان بچانے کے دوران اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ تب سے ریحان کی امی محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اور کپڑے سِل کر مشکل سے گھر چلا پا رہی تھیں۔ لیکن سخت پریشانیوں کے باوجود ریحان، اُس کی چھوٹی بہن روزی اور امی جان اللہ کے سوا کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے۔ دونوں ماں بیٹے بڑے خوددار تھے۔ اس کے علاوہ دلوں میں بے سہاروں کے لیے بھرپور ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے۔

ریحان کے ٹوٹے پھوٹے گھر سے چند قدم کی دوری پر ایک عالی شان بنگلہ تھا۔ اُس میں ناصر نام کا ایک لڑکا اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ بہت گھمنڈی تھا۔ اُسے اپنے امیر ہونے پر بڑا ناز تھا۔ ریحان کو وہ کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ لیکن اِس کے محلے کے لوگ ریحان کے اچھے سلوک کی وجہ سے اُسے بے حد پیار کرتے تھے۔ ناصر کو یہ سب برا لگتا تھا۔ وہ جب دیکھو ریحان کی غریبی کا مذاق اڑانے کی کوشش میں لگا رہتا۔

آج عید کے روز بھی ناصر ریحان پر اپنی شان و شوکت کا سکہ جمانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ اِس کے لیے وہ اپنے بنگلے کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور اپنے قیمتی پہناوے، موبائل اور کنارے لگی موٹر سائکل کی نمائش کے سہارے ریحان کی توجہ اپنی طرف کرنے کی بار بار کوشش کر رہا تھا۔ اِس پر ریحان

نے جو اپنے دروازے پر مہمانوں کے آنے کے انتظار میں چہل قدمی کر رہا تھا، سمجھداری سے کام لیتے ہوئے ناصر کو عید کی مبارک باد پیش کی۔ پھر اُس سے گلے ملنے کے لیے نزدیک گیا، لیکن ناصر نے صاف منع کر دیا۔ اور اُس کے سستے کپڑوں کا مذاق اُڑانے لگا۔

ناصر کی اِس حرکت کو ایک بوڑھے فقیر نے دیکھ لیا۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولا اور ریحان کے دروازے پر پہنچ کر آواز دینے لگا، ''اللہ کے نام پر اِس فقیر کی کچھ مدد کر دو بیٹا۔''

فقیر کی آواز سن کر ریحان تیزی سے اُن کے قریب پہنچا، پھر سلام کرتے ہوئے اپنے ٹوٹے پھوٹے گھر میں داخل ہوا اور ماں سے بولا، ''امی، بابا ضرور کسی سخت پریشانی میں ہیں۔ آج عید ہے، اپنے پرائے کے ساتھ مل بیٹھ کر ان کو خوشیاں منانی چاہیے تھیں، لیکن بے چارے دَر دَر بھٹک رہے ہیں۔ ہمیں ہر حال میں اِن کی مدد کرنی چاہیے امی۔''

امی بولیں، ''ضرور بیٹا! لیکن ہم ان کی مدد کس طرح کریں۔ گھر میں جو پیسے تھے، وہ تو کل تک روزی کے علاج میں خرچ ہو گئے۔'' امی بستر پر سُست پڑی روزی کو ممتا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

ریحان بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا، ''لیکن امی، اپنے دروازے سے بابا کا خالی ہاتھ لوٹ جانا کتنے دکھ کی بات ہوگی۔ ایسے لوگ پہلے سے ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُس پر ستم یہ کہ انھیں مایوس کر دیا جائے، تو کیا یہ غلط نہیں ہوگا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی ضرورت مند کو ہمارے دروازے سے مایوس لوٹنا پڑا ہو۔'' بولتے بولتے ریحان کی آواز بھرا گئی۔

اِس پر امی کی بھی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ ریحان کی بلائیں لیتی ہوئی بولیں، ''ہم بھلے ہی پیسوں سے غریب ہیں بیٹا، لیکن تیری ہمدردی دیکھ کر مجھے تم پر فخر ہو رہا ہے۔ مجھے تیرے جذبات و احساسات پر ناز ہے بیٹا۔'' اتنا کہنے کے بعد امی نے بٹوے سے سو روپے کا نوٹ نکال کر ریحان کی طرف بڑھا دیا، ''یہ لے بیٹا، میں نے یہ روپے آج تم دونوں بھائی بہن کو عیدی دینے کے لیے بہت سنبھال کر رکھے ہوئے تھے لیکن تمہاری عیدی سے زیادہ اہم یہ ہے کہ کسی مجبور کی مدد کی جائے۔''

''آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی امی جان۔'' یہ روزی تھی، جس نے کمزور آواز میں ہی اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

''واہ، میری بہن کتنی سمجھدار ہے۔'' ریحان روزی کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔''

''آخر میں آپ کی بہن جو ہوں۔'' روزی بولی۔

امی دونوں بچوں کی باتیں سن کر نہال ہو رہی تھیں۔ اسی بیچ ریحان اُن کے ہاتھ سے روپے لے کر تیزی سے باہر نکل گیا اور نہایت ادب سے فقیر کی طرف سو روپے کا نوٹ بڑھا دیا۔

''نہیں بیٹے، میں تم سے بھیک نہیں لے سکتا۔'' فقیر کا لہجہ بے حد جذباتی تھا۔

''لیکن کیوں بابا؟'' ریحان نے حیرانگی جتائی۔

''کیونکہ یہ روپے بھیک نہیں، بلکہ تمھاری عید کی بخشش ہے۔ اسے میں کس دل سے لوں۔''

ریحان بولا، ''بابا میں آپ کو بھیک نہیں دے رہا ہوں، اور نہ ہی عیدی۔ بلکہ میں تو آپ کی صرف تھوڑی سی مدد کر رہا ہوں۔ اگر آپ خالی ہاتھ لوٹ جائیں گے تو میں چین سے نہیں رہ پاؤں گا۔ آپ کو میری قسم بابا، پلیز، میرا دل رکھ لیجیے۔ آپ کا دکھ میرا دکھ ہے۔ کیوں کہ ہم سب ایک ہیں۔''

ریحان کی آنکھوں میں دردمندی کے جھلملاتے آنسو دیکھ کر بابا مچل اُٹھے۔ اُنھیں نہ چاہتے ہوئے بھی ریحان کے پیسے قبول کرنے پڑے۔ وہ ریحان کی نیکی وخوش اخلاقی سے متاثر ہوکر اُسے دعاؤں سے نوازنے لگے۔ اِسی بیچ ناصر نے فقیر کو آواز دی۔

بابا قریب آکر عجیب نظر سے اُسے گھورنے لگے۔

''آپ کو اُس ریحان پھٹیچر کے پاس جانے کے بجائے میرے دروازے پر آنا چاہیے تھا بابا۔ کیا آپ کو ہماری اتنی بڑی حویلی نظر نہیں آئی؟'' فقیر کو اتنا سنانے کے بعد ناصر نے بٹوے سے دو ہزار کا ایک نوٹ نکال کر جھٹ سے اُن کی طرف بڑھا دیا، ''یہ لیجیے، دو ہزار کا کڑک دار نوٹ... آپ بھی کیا یاد کروگے۔''

ناصر کی اس حرکت سے دکھی ہوکر بوڑھے فقیر نے بھیک لینے سے انکار کر دیا اور ناصر کو ناراض آنکھوں سے گھورنے لگا۔

''ارے آپ دیکھ کیا رہے ہیں؟.... روپے لیجیے اور جایئے عیش کیجیے۔''

''نہیں! میں تم سے بھیک نہیں لے سکتا۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا؟..... آخر کیوں نہیں لے سکتے میری بھیک؟'' ناصر پریشان ہوکر کبھی اپنے دو ہزار کے نوٹ کو دیکھتا، تو کبھی سائل کو۔

وہ فقیر ناصر کے دو ہزار روپے کے نوٹ کو بے دلی سے دیکھتے ہوئے بولا، ''تمہاری اِس قیمتی بھیک سے تمہارے گھمنڈ اور بے عزتی کی بدبو پھوٹ رہی ہے۔ جبکہ ریحان کے اس سو کے نوٹ میں انتہائی خلوص واحترام اور محبت کی خوشبو رچی بسی ہے۔'' اتنا کہنے کے بعد ضعیف سائل ہاتھ میں تھامے ریحان کے روپے کو عزت سے چومتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ گیا اور جانے کہاں گم ہوگیا۔

ناصر کو اُس فقیر کی بے رخی اندر سے بہت پریشان کرنے لگی۔ اِسی درمیان اُس کے دروازے پر ایک موٹر کار آکر رکی، جس میں ناصر کے دوست سوار تھے.....خوشونت، ڈسوزا...اور پردیپ وغیرہ۔

کار سے اُتر کر تینوں دوست ناصر کے قریب آئے اور باری باری اُس سے گلے ملنے لگے۔اِسی دوران ناصر کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اُن دوستوں نے وجہ پوچھی تو ناصر نے سارا واقعہ تفصیل سے سنا دیا۔

''تو یہ بات ہے۔''

''چلو اچھا ہوا۔''

''ہم لوگ تمھیں اکثر سمجھاتے تھے کہ امیری غریبی اپنی جگہ ہے، لیکن ایک دوسرے سے محبت ہر حال میں قائم رکھنا چاہیے۔لیکن تم اپنی گھمنڈی طبیعت سے باز نہیں آئے۔جس کا انجام یہ ہوا کہ آج ایک فقیر نے تجھے تیری اوقات اچھے سے سمجھا دی۔ بھلا ہو اُس فقیر کا۔''

''اِس محلے کے لوگ تیری وجہ سے ہمیں بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہوں گے۔''

''بے چارا ریحان بھی کیا سوچتا ہوگا ہمارے بارے میں۔''

''لیکن آج ہم اُس کی غلط فہمی دور کرکے رہیں گے۔''

پھر ہوا یہ کہ ناصر کے تینوں دوست ریحان کے پاس گئے اور اُس سے گلے مل کر عید کی مبارک باد پیش کی۔اِسی بیچ ناصر بھی جھجکتے ہوئے اُن کے قریب آگیا اور ہاتھ جوڑ کر ریحان سے درخواست کرنے لگا، ''پلیز ریحان. مجھ سے بھی گلے مل لو۔''

ریحان نے بلا تاخیر اُسے گلے لگا لیا اور نہایت جذباتی لہجے میں بولا، ''ہاتھ جوڑ کر مجھے شرمندہ نہ کرو بھائی۔''

ناصر ریحان سے گلے مل لینے کے بعد بھی روئے جا رہا تھا۔اِس پر اُس کے ایک دوست نے پوچھا، ''ریحان سے گلے مل کر کیا اب بھی تمہارا دل ہلکا نہیں ہوا؟''

ناصر بولا، ''ایسی بات نہیں ہے۔دراصل میں بابا کے لیے پریشان ہوں۔ وہ مجھے جب تک معاف نہیں کریں گے، مجھے چین نہیں ملے گا۔ میں بابا سے بھیک مانگنا چاہتا ہوں۔وہ مجھ سے خفا ہو کر جانے کدھر چلے گئے۔''

''میں کہیں نہیں گیا، بس یہیں کہیں چھپ کر تم لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔'' سائل کی آواز سن کر سبھی لڑکے چونک پڑے۔وہ لاٹھی کے سہارے چلتے ہوئے اُن لڑکوں کے قریب آئے اور ناصر سے مخاطب ہوئے، ''مجھے یقین تھا، تمھیں اپنی غلطی کا احساس ضرور ہوگا۔تم سب کو ایک ساتھ دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔''

''بابا مجھے آپ کی بھیک چاہیے۔'' ناصر ادب سے سر جھکائے گڑگڑا رہا تھا۔اِس پر سائل نے اُسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا، ''بیٹے میں تو فقیر ہوں۔اور فقیر صرف دعا ہی دے سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آج تمہارے دل میں دردمندی اور محبت کا جو سمندر بھر دیا ہے، وہ کبھی سوکھنے نہ پائے۔تم لوگ اسی طرح ایک دوسرے سے مل جل کر رہو۔''

دعائیں دینے کے بعد بابا آگے بڑھ گئے۔پھر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

■

Azmat Anis
CO Maqbool Ahmad, Vill.: Kolhwa
Paighamberpur, Post.: Kolhwa, Via Kalwari
Distt: Muzaffapur - 843108

عید کا دن

آج کا دن کیسا بارونق ہے بچو واہ واہ
مرد— بوڑھے ہوں کہ بچے جارہے ہیں عیدگاہ
آج کا دن ہم نے پایا روزے رکھ کر ایک ماہ
روزہ داروں کے لیے اللہ کا انعام ہے
آج کا دن ہے خوشی کا عید جس کا نام ہے

چاند دیکھا ہم نے کل سورج کے چھپ جانے کے بعد
چھپ گیا پھر وہ بھی جلدی جلوہ دکھلانے کے بعد
ہم نے چلاّ کر کہا مسجد سے گھر آنے کے بعد
عید کل ہی ہو رہی ہے اطلاع عام ہے
آج کا دن ہے خوشی کا عید جس کا نام ہے

نیند بھی آئی نہیں جاگے خوشی میں رات بھر
آنے والی صبح پر تھی بس تصور کی نظر
ہم نے کوشش بھی نہیں کی نیند کی یہ مان کر
رت جگے کے روز آخر نیند کا کیا کام ہے
آج کا دن ہے خوشی کا عید جس کا نام ہے

غسل کر کے آج پہنے ہم نے وہ کپڑے نئے
عید کے دن کے لیے ہی تھے جو سلوائے گئے
ساتھ میں ابو کے ہم بھی عیدگہ رخصت ہوئے
ہم نے دیکھا ہر زباں پر ذکرِ رب ہر گام ہے
آج کا دن ہے خوشی کا عید جس کا نام ہے

آج پھولوں کی طرح سب کے ہی چہرے تھے کھلے
دی مبارکباد ان کو بھی تھے کہ جن سے گلے
کوئی اپنا ہو، پرایا ہو، گلے سب سے ملے
میل ہو سب سے یہی تو مقصدِ اسلام ہے
آج کا دن ہے خوشی کا عید جس کا نام ہے

عید کا کھانا تھا سبحان اللہ کیسا لاجواب!
تھیں سوئیاں، قورمہ، شیر اور بریانی کباب
ہم اٹھے خوش ذائقہ کھانوں سے ہو کر فیضیاب
ڈش سوئیوں کی بہت مرغوب خاص و عام ہے
آج کا دن ہے خوشی کا عید جس کا نام ہے

کوئی دولت مند انساں ہو کہ ہو کوئی غریب
کوئی رشتے دار، ہمسایہ ہو یا کوئی رقیب
عید وہ ہے جس میں حاصل ہو خوشی سب کو نصیب
درحقیقت عید کا ساحلؔ یہی پیغام ہے
آج کا دن ہے خوشی کا عید جس کا نام ہے

Murtaza Sahil Taslimi
Mohalla Shutar Khana
Rampur - 244901 (UP)

اقرار احمد ابرار احمد

دنیا کے بلند پہاڑ

دنیا میں 8000 میٹر سے اونچے 14 پہاڑ ہیں۔ ان میں سے 8 نیپال میں، 5 پاکستان میں اور 1 تبت چین میں ہے۔ ان میں 10 پہاڑ کوہ ہمالیہ اور 4 پہاڑ کوہ قراقرم میں واقع ہیں۔ کوہ ہمالیہ کے 10 میں سے 8 نیپال اور ایک ایک پاکستان و چین میں ہے جبکہ کوہ قراقرم کے چاروں پہاڑ پاکستان میں ہیں۔ ان تمام 14 پہاڑوں کی مختصر معلومات ان کی بلندی طول بلد عرض بلد کیا ہے۔ سب سے پہلے کس نے کب سر کیا۔ اب تک کتنے کوہ پیما سر کر چکے ہیں اور کتنے کوہ پیما اپنی جانیں گنوا چکے ہیں۔

ماؤنٹ ایورسٹ.Mount Everest

دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ ماؤنٹ ایورسٹ ہے۔ جس کی بلندی 8848 میٹر طول بلد 27.59.18 اور عرض بلد 86.55.33 ہے۔ ماؤنٹ ایورسٹ نیپال اور تبت کی سرحد پر واقع ہے اور دونوں طرف سے سر کیا جاسکتا ہے۔ ماؤنٹ ایورسٹ کو سب سے پہلے نیوزی لینڈ کے ایڈمنڈ ہلیری اور نیپال کے شرپا تنزنگ نورگے نے 29 مئی 1953 کو سر کیا تھا۔ ماؤنٹ ایورسٹ کو سردیوں میں پہلی بار 17 فروری 1980 میں پولش کوہ پیماؤں Krzysztof Wielicki اور Leszek Cichy نے سر کیا تھا۔ ایورسٹ کو اب تک 7001 کوہ پیما سر چکے ہیں جبکہ 223 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

کیٹو.K2

دنیا کا دوسرا اونچا پہاڑ کیٹو ہے جس کی بلندی 8616 میٹر طول بلد 35.52 عرض بلد 76.30 ہے۔ کیٹو پاکستان میں واقع ہے۔ کیٹو کو سب سے پہلے اٹلی کے Achille Compagnoni اور Lino Lacedelli نے 31 جولائی 1954 میں سر کیا تھا۔ کیٹو کو اب تک سردیوں میں سر نہیں کیا

جاسکا۔ کیٹو کو اب تک 355 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 81 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

کنچن چنگا Kanchenjunga

کنچن چنگا دنیا کا تیسرا اونچا پہاڑ ہے جس کی بلندی 8586 میٹر طول بلد 27.42 عرض بلد 88.08 ہے۔ کنچن چنگا نیپال اور انڈیا کی سرحد پر واقع ہے لیکن صرف نیپال کی طرف سے ہی سر ہو سکتا ہے۔ کنچن چنگا کو سب سے پہلے برطانیہ کے George Band اور Joe Brown نے 25 مئی 1955 کو سر کیا تھا۔ کنچن چنگا کو سردیوں میں پہلی بار 11 جنوری 1986 میں پولش کوہ پیماؤں Krzysztof Wielicki اور Jerzy Kukuczka نے سر کیا تھا۔ اب تک کنچن چنگا کو 332 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 40 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

لوتسے۔ Lhotse

دنیا کا چوتھا اونچا پہاڑ لوتسے ہے جس کی بلندی 8516 میٹر طول بلد 28.57 عرض بلد 86.56 ہے۔ لوتسے نیپال اور تبت کی سرحد پر واقع ہے۔ لوتسے کو سب سے پہلے برطانیہ کے Fritz Luchsinge اور Ernst Reissr نے 18 مئی 1955 کو سر کیا تھا۔ میں سر کیا تھا۔ لوتسے کو سردیوں میں پہلی بار 31 دسمبر 1988 میں پولش کوہ پیما Krzysztof Wielicki نے سر کیا تھا۔ اب تک لوتسے کو 604 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 13 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

مکالو۔ Makalu

دنیا کا پانچواں اونچا پہاڑ مکالو ہے جس کی بلندی 8485 میٹر طول بلد 27.53 عرض بلد 87.05 ہے۔ مکالو نیپال اور تبت کی سرحد پر واقع ہے۔ لوتسے کو سب سے پہلے فرانس کے Jean Couzy اور Lionel Terray نے 15 مئی 1955 کو سر کیا تھا۔ لوتسے کو سردیوں میں پہلی بار 9 فروری 2009 میں اٹلی کے کوہ پیما Simon More اور قازقستان کے Denis Urubko نے سر کیا تھا۔ اب تک مکالو کو 434 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 31 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

Cho Oyu چویو

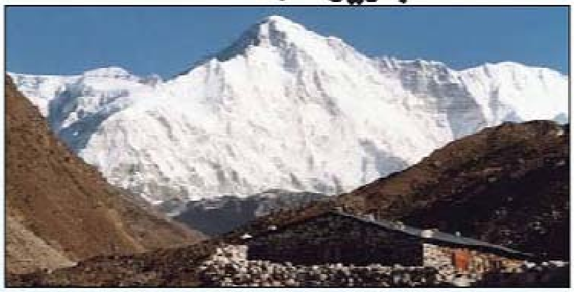

دنیا کا چھٹا اونچا پہاڑ چویو ہے جس کی بلندی 8188 میٹر طول بلد 28.05 عرض بلد 86.39 ہے۔ چویو نیپال اور تبت کی سرحد پر واقع ہے۔ چویو کو سب سے پہلے آسٹریا اور نیپال کے Josef Jochler, Herbert Tichy, Pasang Dawa Lama نے 19 اکتوبر 1954 کو سر کیا تھا۔ چویو کو سردیوں میں پہلی بار 12 فروری 1985 کو پولینڈ کے Maciej Berbeka اور Maciej Pawlikowski نے سر کیا تھا۔ اب تک چویو کو 3331 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 44 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

Dhaulagiri دھولاگیری

دنیا کا ساتواں اونچا پہاڑ دھولاگیری ہے جس کی بلندی 8167 میٹر طول بلد 28.41 عرض بلد 83.29 ہے۔ دھولاگیری نیپال میں واقع ہے۔ دھولاگیری کو سب سے پہلے مختلف ملکوں کی ایک مشترکہ ٹیم نے 13 مئی 1960 کو سر کیا تھا۔ جس میں Kurt Diemberger, Peter Diener, Ernst Forrer, Albin Schelbert, Nawang Dorje Nima Dorje شامل تھے۔ دھولاگیری کو سردیوں میں پہلی بار 21 جنوری 1985 کو پولینڈ کے Andrzej Czok اور Jerzy Kukuczka نے سر کیا تھا۔ دھولاگیری کو 469 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 69 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

Manaslu مناسلو

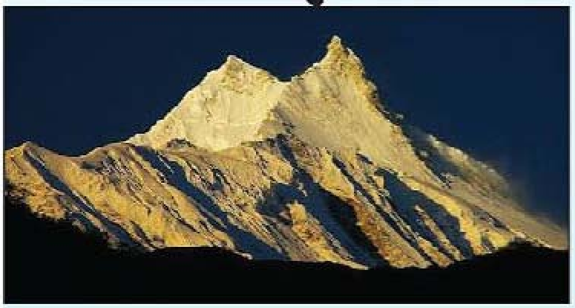

دنیا کا آٹھواں اونچا پہاڑ مناسلو ہے جس کی بلندی 8163 میٹر طول بلد 28.33 عرض بلد 84.33 ہے۔ مناسلو نیپال میں واقع ہے۔ مناسلو کو سب سے پہلے جاپان اور نیپال کے Toshio Imanishi, Gyalzen Norbu نے 9 مئی 1956 کو سر کیا تھا۔ مناسلو کو سردیوں میں پہلی بار 12 جنوری 1986 کو پولینڈ کے Maciej Berbeka اور Ryszard Gajewski نے سر کیا تھا۔ اب تک مناسلو کو 903 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 65 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

Nanga Parbat نانگا پربت

نانگا پربت دنیا کا نواں اونچا پہاڑ ہے جس کی بلندی 8126 میٹر طول بلد 35.14 عرض بلد 74.35 ہے۔ نانگا پربت پاکستان میں واقع ہے۔ نانگا پربت کو سب سے

پہلے جرمنی کے Hermann Buhl نے 3 جولائی 153 کو سر کیا تھا۔ نانگا پربت کو سردیوں میں پہلی بار 26 فروری 2016 میں اٹلی کے کوہ پیما Simon More پاکستان کے علی صدپارہ اور سپین کے Alex Txikon نے سر کیا تھا۔ نانگا پربت کو 335 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 68 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

اینا پرنا۔ Annapurna

دنیا کا دسواں اونچا پہاڑ اینا پرنا ہے جس کی بلندی 8091 میٹر طول بلد 28.35 عرض بلد 83.49 ہے۔ اینا پرنا نیپال میں واقع ہے۔ مناسلو کو سب سے پہلے فرانس کے Maurice Herzog اور Louis Lachenal نے 3 جون 1950 کو سر کیا تھا۔ اینا پرنا کو سردیوں میں پہلی بار 3 فروری 1987 کو پولینڈ کے Jerzy Kukuczka اور Artur Hajzer نے سر کیا تھا۔ اب تک اینا پرنا کو 211 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے جبکہ 61 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلا ہو چکے ہیں۔

گاشربرم ون۔ Gasherbrum 1

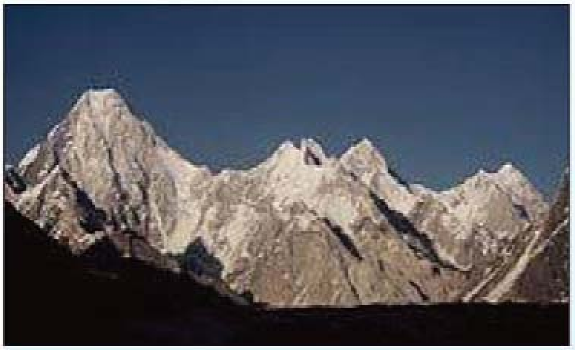

گاشربرم دنیا کا گیارہواں اونچا پہاڑ ہے جس کی بلندی 8080 میٹر طول بلد 35.43 عرض بلد 76.41 ہے۔ گاشربرم ون پاکستان میں واقع ہے۔ گاشربرم ون کو سب سے پہلے امریکہ کے Andrew J. Kauffman اور Peter K. Schoening نے 5 جولائی 1958 کو سر کیا تھا۔ گاشربرم ون کو پہلی بار سردیوں میں 9 مارچ 2012 کو Adam Bielecki اور Janusz Golab نے سر کیا تھا۔ گاشربرم ون کو 334 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 29 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

براڈ پیک Broad Peak

براڈ پیک دنیا کا بارہواں اونچا پہاڑ ہے جس کی بلندی 8051 میٹر طول بلد 35.48 عرض بلد 76.34 ہے۔ براڈ پیک پاکستان میں واقع ہے۔ براڈ پیک کو سب سے پہلے آسٹریا کے Hermann Buhl, Kurt Diemberger, Marcus Schmuck, Fritz Wintersteller نے 9 جون 1957 کو سر کیا تھا۔ براڈ پیک کو پہلی بار سردیوں میں 5 مارچ 2013 کو پولینڈ کے Maciej Berbeka, Adam Bielecki, Tomasz Kowalski, Artut Malek نے سر کیا تھا۔ براڈ پیک کو اب تک 404 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 21 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

گاشر برم ٹو۔Gasherbrum 2

گاشر برم ٹو دنیا کا تیرہواں اونچا پہاڑ ہے جس کی بلندی 8035 میٹر طول بلد 35.45 عرض بلد 76.39 ہے۔ گاشر برم ٹو پاکستان میں واقع ہے۔ گاشر برم ٹو کو سب سے پہلے آسٹریا کے Josef Larch, Fritz Moravec, Johann Willenpart نے 7 جولائی 1956 کو سر کیا تھا۔ گاشر برم ٹو کو پہلی بار سردیوں میں 2 فروری 2011 کو اٹلی کے Simone Moro اور قزاقستان کے Denis Urubko اور امریکہ کے Cory Richards نے سر کیا تھا۔ گاشر برم ون کو 930 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 21 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں۔

شش پنگماں۔Shish Pangma

دنیا کا چودھواں اور آخری 8000 میٹر اونچا پہاڑ شش پنگماں ہے جس کی بلندی 8027 میٹر طول بلد 28.33 عرض بلد 84.33 ہے۔ شش پنگماں تبت میں واقع ہے۔ شش پنگماں کو سب سے پہلے چین کے Hsu Ching, Chang Chun-yen, Wang Fu-zhou, Chen San, Cheng Tien-liang, Wu Tsung-yue, Sodnam Do نے 2 مئی 1964 کو سر کیا تھا۔ شش پنگماں کو سردیوں میں پہلی بار 14 جنوری 2005 کو پولینڈ کے Piotr Morawski اور اٹلی کے Simon More نے سر کیا تھا۔ اب تک شش پنگماں کو 302 کوہ پیماؤں نے سر کیا ہے۔ جبکہ 25 کوہ پیما سر کرتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے ہلاک ہو چکے ہیں...

■

Iqrar Ahmad Abrar Ahmad
Plot No: 91, Millat Nagar
Dhulia - 424001(Maharashtra)

جمال اختر

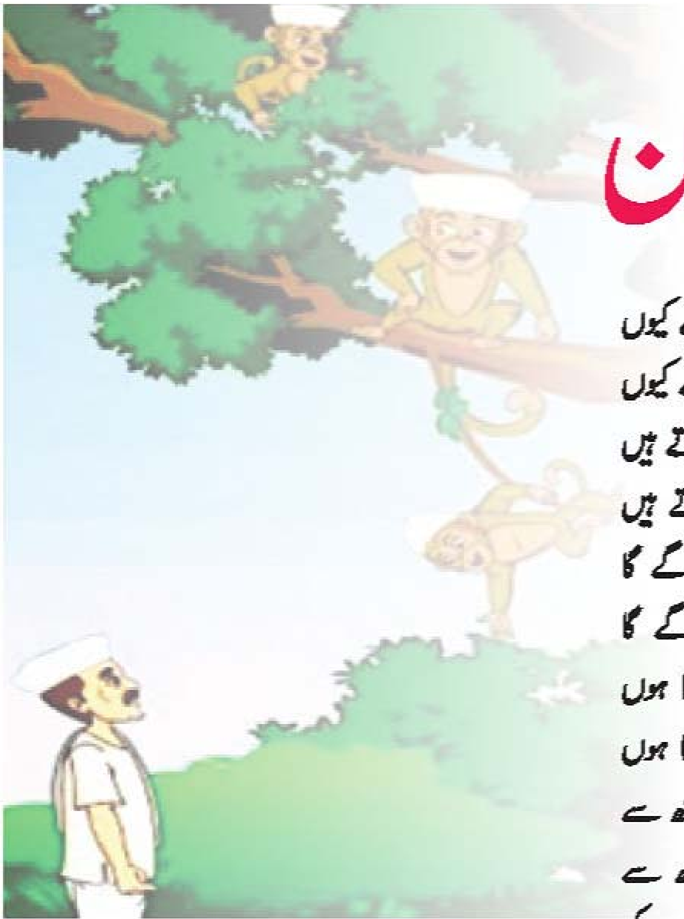

بندر اور انسان

نظم

میں بندر ہوں مجھے سب مارتے رہتے ہیں جانے کیوں
مجھے دیکھا بڑے چھوٹے ہوئے ہیں سب دیوانے کیوں
میں گھڑکی جب انھیں دیتا ہوں پیچھے بھاگ جاتے ہیں
میں رک جاؤں تو مجھ پر پھر سے یہ پتھر چلاتے ہیں
کوئی ڈنڈا کوئی بندوق لے کے پیچھے بھاگے گا
نہ جانے آدمی میں کب کوئی انسان جاگے گا
سبق مجھ سے نہیں لیتے کسی سے کچھ بھی کہتا ہوں
مجھے سب مارتے رہتے ہیں میں خاموش رہتا ہوں
نہ جانے دشمنی کس بات کی رکھتے ہیں سب مجھ سے
کوئی یہ بھی بتائے گا کرو گے پیار کب مجھ سے
یہ مخلوقِ خدا اشرف ہے یہ پہچان ہے اس کی
ہماری جان تو پتھر کی ہے بس جان ہے اس کی
کماتے ہیں یہ اپنی روزی روٹی پال کر مجھ کو
یہ خود کھاتے ہیں اچھا سوکھی روٹی ڈال کر مجھ کو
نہ ان سے مانگتا کھانا نہ ان کے گھر میں رہتا ہوں
سب آندھی بارشیں سردی ہو گرمی خود ہی سہتا ہوں
تمھیں پیدا کیا جس نے وہی مالک ہے میرا بھی
کٹے گی رات کب یہ ظلم کی ہوگا سویرا بھی
کسی مذہب سے ہو تم میں تو سب کے گھر پہ جاتا ہوں
میں ہندو ہوں کہ مسلم کیا کسی کو یہ بتاتا ہوں
تمھیں فرصت نہیں آپس میں جھگڑے سے لڑائی سے
محبت ہم سے کیا ہوگی نہیں بھائی کو بھائی سے
کہیں بجتا ہے جب مندر کا گھنٹہ بیٹھ جاتا ہوں
اذاں ہوتی ہے مسجد میں تو اپنا سر جھکاتا ہوں
کہاں یہ روک پاتی ہیں مجھے مندر کی دیواریں
انھیں اپنا سمجھتا ہوں جو ہیں مسجد کے میناریں
اگر یہ سوچ ہو جائے جو تم سب کی تو بہتر ہو
وگرنہ آدمی ہو کر کے تم مجھ سے بھی بدتر ہو

■

Jamal Akhtar
Near Jamia Urdu
Aligarh (UP)

اشفاق کلرنجوی

اردو زبان

بھارت کی سب سے شیریں کوئی زبان ہے
اردو زبان ہے وہ اردو زبان ہے

ایرانیوں نے جس کو اپنی زباں کہا
افغانیوں نے جس کو اپنی زباں کہا
عرب و عجم میں جس کا رتبہ مہان ہے
بھارت کی سب سے شیریں کوئی زبان ہے
اردو زبان ہے وہ اردو زبان ہے

فلموں میں گیت جس کے سندر حسین ہیں
الفاظ جس کے میٹھے اور دلنشین ہیں
خوشبو سے جس کی مہکا ہندوستان ہے
بھارت کی سب سے شیریں کوئی زبان ہے
اردو زبان ہے وہ اردو زبان ہے

بھارت میں ہر طرف ہے اردو رواں دواں
کوئی نہ صوبہ ایسا اردو نہیں جہاں
ہندو ہو یا مسلماں جو سب کی شان ہے
بھارت کی سب سے شیریں کوئی زبان ہے
اردو زبان ہے وہ اردو زبان ہے

غالب کی شعریت اور میر کا ترنم
اقبال کی بلندی پطرس کا تبسم
سید کی آن بان اور حالی کی شان ہے
بھارت کی سب سے شیریں کوئی زبان ہے
اردو زبان ہے وہ اردو زبان ہے

آزاد، درد، مومن، داغ و امیر ہیں
اصغر جگر نظامی شبلی امیر ہیں
حسرت کا نام جس سے کتنا مہان ہے
بھارت کی سب سے شیریں کوئی زبان ہے
اردو زبان ہے وہ اردو زبان ہے

سید : سر سید احمد خان
آزاد : مولانا محمد حسین آزاد
نظامی : خواجہ حسن نظامی
حسرت : مولانا حسرت موہانی

Ashfaque Ahmad Abdul Hakeem
G.N. Azad Urdu High School, Wadegaon
Tq. Balapur
Dist.: Akola - 444502 (Maharashtra)

ریحان حسن

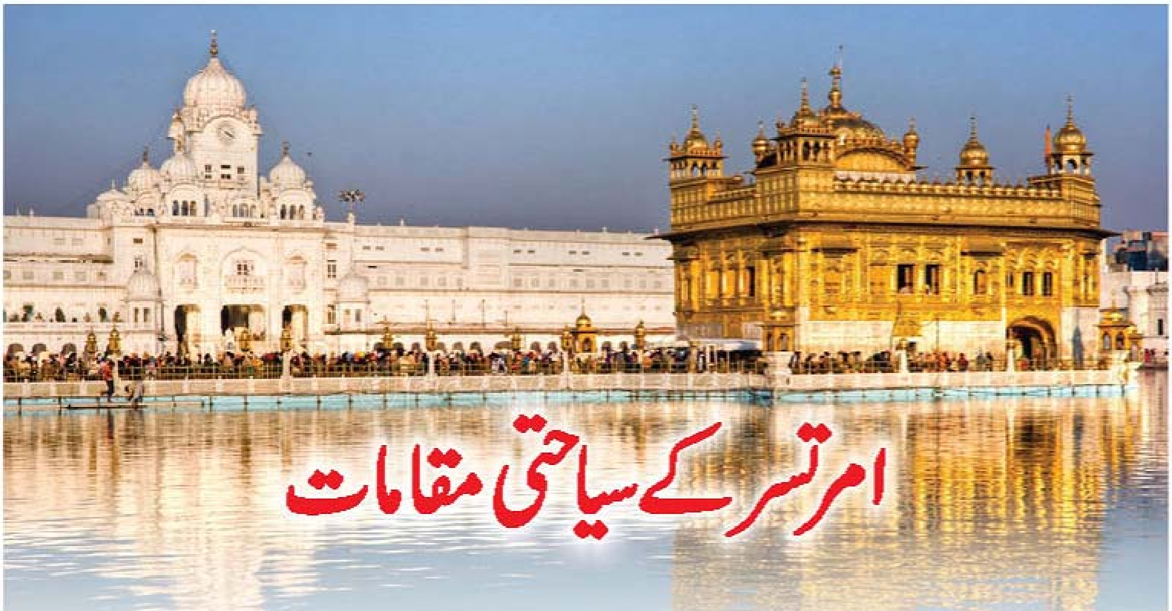

امرتسر کے سیاحتی مقامات

امرتسر ایک ایسا شہر ہے جہاں سے بہت سے گروؤں، سنتوں اور صوفیائے کرام کا تعلق رہا ہے۔ اس اعتبار سے یہ شہر مقدس بھی ہے اور محترم بھی، امرتسر کے انتہائی مقدس اور پاکیزہ جگہوں میں گولڈن ٹیمپل ہے۔ جسے ہری مندر صاحب اور سوِرن مندر بھی کہا جاتا ہے۔ اس جگہ کو دیکھنے اور زیارت کے لیے ملک کے کونے کونے سے لوگ آتے ہیں۔ اس شہر کو گروؤں کی نگری کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ دراصل اس شہر کو چوتھے گرو رام داس جی نے بسایا تھا۔ یہاں پر پانچ سرودر (تالاب) ہیں جو مذہبی اعتبار سے محترم ہیں۔ ان سرودروں کے نام سنتوکھ سر، امرتسر، رام سر، بیبک سر، اور کول سر ہیں۔

امرتسر شہر میں ایک مقدس جگہ گورو بازار میں گورو محل بھی ہے جو سکھوں کے چھٹے گرو، گرو ہر گوبند جی کی رہائش کا مرکز رہا ہے۔

اس کے علاوہ گرودوارہ بابا اٹل رائے جی، گرودوارہ بھائی شالو جی، گرودوارہ ماتا کولاں، گرودوارہ چھہ ہرٹہ، گرودوارہ بابا بابکالا، گرودوارہ کھنڈور صاحب، گرودوارہ ترن تارن صاحب اور گرودوارہ رام سر صاحب سکھوں کے لیے عقیدت کا مرکز ہیں۔

شہر امرتسر صرف سکھوں کے لیے ہی اہمیت کا حامل نہیں بلکہ ہندوؤں کے لیے بھی یہ شہر بابرکت ہے۔ اس لیے کہ امرتسر کے نزدیک رام تیرتھ کے استھان پر سیتا جی بنواس کے دنوں میں رشی بالمیکی کے آشرم میں ٹھہری تھیں اور اسی جگہ پر بالمیکی جی نے رامائن بھی لکھا تھا۔ امرتسر میں رام تیرتھ کی زیارت کے لیے بھی لوگ آتے ہیں کیوں کہ یہاں پر سیتا، لو اور کش کے ساتھ آئی تھیں۔

امرتسر میں ہندوؤں کی مقدس جگہ درگیانا مندر ہے۔ جو امرتسر کی شان وشوکت میں اضافے کا سبب ہے۔ اس جگہ کو شیتلا مندر بھی کہا جاتا ہے۔ مندر کا سنگ بنیاد 1 جولائی 1925 میں بھارت رتن انعام یافتہ پنڈت مدن موہن مالویہ کے ہاتھوں رکھا گیا۔ درگیانا مندر میں شیتلا ماتا کا مندر سات سو سالہ قدیم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بچوں کو ہونے والی چیچک کی

بیماری یہاں آکر سر جھکانے سے ٹھیک ہو جاتی ہے۔

ہنومان مندر درگیانا مندر میں ہی واقع ہے۔ دراصل یہ مندر ہنومان جی کی یاد میں اس لیے بنا ہے کہ یہیں شری رام جی کے بچوں لو اور کش نے ہنومان جی کو وٹ درخت سے باندھا تھا اور جنگ کے بعد سیتا نے خود آکر ہنومان جی کو آزاد کیا تھا۔

امرتسر میں گوسوامی تلسی داس مندر بھی شہرت کا حامل ہے۔ اس مندر کی بنیاد 1960 میں پنڈت چمن لال کے ہاتھوں پڑی۔ اس مندر میں ساٹھ کروڑ شری رام نام درج ہے۔ ہندوؤں میں اس جگہ کی اس قدر اہمیت ہے کہ پوری دنیا سے اہل ہنود یہاں زیارت کو آتے ہیں۔

امرتسر کے باغوں میں رام باغ بھی تاریخی جگہ ہے کیونکہ رام باغ کے نزدیک رام تلائی مندر کی جگہ پر روک کر لو اور کش نے رام چندر جی کی فوج سے مقابلہ کیا تھا۔ امرتسر باغات اور پارک کی وجہ سے بھی بہت مشہور ہے۔ یہاں کمپنی باغ بھی شہرت کا حامل ہے۔ کمپنی باغ میں گرمیوں کے زمانے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ دربار لگایا کرتے تھے۔ اس باغ میں چلڈرن پارک، چڑیا گھر میں قائبھر کے جانور، جھولے، سوئمنگ، واچ ٹاور، مچھلی گھر، حمام، چھوٹی برجی اور ڈیوڑھی وغیرہ امرتسر کی عوام کی توجہ کا مرکز ہیں۔ سکتری (کشتری) باغ اور جلیاں والا باغ تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔

جلیاں والا باغ جلی نام کے شخص کی زمین تھی۔ جس باغ میں بیساکھی کے دن یعنی 13 اپریل کو ڈاکٹر ستپال اور سیف الدین کچلو کی گرفتاری کی مخالفت میں عوامی جلسہ پر جنرل ڈائر کے حکم سے گولی چلائی گئی۔ جس میں سرکاری رپورٹ کے مطابق 1379 آدمی اور کانگریس کمیتی کے مطابق ایک ہزار افراد شہید کیے گئے۔ اس حادثہ کے خلاف مہاتما گاندھی نے قیصر ہند خطاب، جمنا لال بجاج نے رائے بہادر خطاب اور رابندر ناتھ ٹیگور نے 'سر' کا خطاب واپس کر دیا۔

امرتسر میں خالصہ کالج بہت مشہور اور تاریخی جگہ ہے۔ یہ کالج سکھوں کی مالی امداد سے 5 مارچ 1892 میں بنایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ گرونانک دیو یونیورسٹی، امرتسر انجینئرنگ کالج، بابا کوما سنگھ انجینئرنگ کالج، بی۔ پیٹ، ویرکا کالج وغیرہ امرتسر میں آنے والے ادیبوں دانشوروں اور طالب علموں کے لیے خصوصی توجہ کا مرکز ہیں۔ چونکہ یہ شہر پرانے زمانے سے تجارتی مرکز رہا ہے، اس لیے اس شہر کو مختلف تہذیب اور تمدن کے

مرکز کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ اس شہر میں داخل ہونے کے لیے بارہ گیٹ بنے ہوئے ہیں۔ جن میں ہاتھی گیٹ، لوہ گڑھ گیٹ، بیری گیٹ، لاہوری گیٹ، خزانہ گیٹ، گیٹ حکیماں، سلطان ونڈ گیٹ، چاٹی ونڈ گیٹ، شیراں والا گیٹ، مہا سنگھ گیٹ، مہاتما گاندھی گیٹ (ہال گیٹ) اور بھگتاں والا گیٹ فن تعمیر کا نمونہ ہیں۔

امرتسر میں متعدد خانقاہیں اور مزارات بھی سیاحت کا مرکز ہیں۔ ترن تارن کھیم کرن کے قریب مین والا میں مزار شیخ برہم بہت مشہور مزار ہے۔ ان کے علاوہ جامع مسجد خیر الدین اور لوہ گڑھ کا امامباڑہ اور اداسین فرقے کے ڈیرے اور سینٹ پال چرچ امرتسر میں آنے والوں کے لیے کشش کا باعث ہیں۔ نیز کوکا میموریل اور پل کنجری، واگھہ بارڈر کی پریڈ بھی امرتسر میں آنے والوں کے لیے خصوصی توجہ کا مرکز ہے۔ در اصل دونوں ملکوں کے درمیان بھائی چارے اور تعاون کے طور پر دونوں طرف سے فوجیوں کی lowring parade (جھنڈا اتارنے کی رسم) ایک ساتھ شروع ہوتی ہے۔ اس پریڈ میں گارڈز جو حصہ لیتے ہیں وہ ہندوستان کی بارڈر سیکورٹی فورس B S F اور پاکستان سے پاکستان رینجرز ہوتے ہیں۔ یہ پریڈ پینتالیس منٹ کے وقفہ میں مکمل ہو جاتی ہے۔ اس پریڈ کی ابتدا 1959 میں ہوئی تھی جو اب تک قائم ہے۔ پریڈ کے درمیان دونوں طرف قومی ترانے کے ساتھ ساتھ پر جوش نعرے بھی لگتے رہتے ہیں۔ آخر میں دونوں ممالک اپنے ملک کا جھنڈا اتار کر سلامی دیتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں ملکوں کے گارڈز ہاتھ ملا کر گیٹ کو بند کر دیتے ہیں اور علاقے کو عوام سے خالی کرا لیا جاتا ہے۔

امرتسر میں سیاحوں کی توجہ کا مرکز گوبند گڑھ قلعہ بھی ہے۔ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے سے موجود ہے۔ تحریک آزادی سے متعلق قلعہ سے متعدد واقعات یادگار ہیں۔ قلعے کا نام بھنگیوں کا قلعہ تھا لیکن بعد میں اس قلعے کو دسویں اور آخری گرو گرو گوبند سنگھ کے نام پر رکھا گیا۔ یہ قلعہ تقسیم وطن کے وقت پاکستان جانے والوں کے لیے بھی ایک بڑا ٹھکانہ تھا۔ قلعے میں مضبوط لوہے کے دروازے، توپ اور جدید قسم کے ہتھیار سیاحوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اسی قلعہ میں کوہ نور ہیرا بھی رکھا ہوا تھا جسے انگریز اپنے ساتھ لے گئے اور اس وقت یہ ہیرا انگلینڈ کی مہارانی کے پاس موجود ہے۔

اس طرح شہر امرتسر مختلف تہذیبوں اور قوموں کی وراثت کا گواہ بھی ہے اور مرکز بھی، خصوصا (گولڈن ٹیمپل) دربار صاحب درگیانا مندر وغیرہ ایسی جگہیں ہیں جہاں آکر انسانوں کو سکون بھی حاصل ہوتا ہے اور مرادوں سے جھولیاں بھی بھرتی ہیں۔

■

Dr. Raihan Hasan
Dept. of Urdu, Farsi Guru Nanak Deo
University, Amritsar - 143005 (Punjab)

قیوم اثر

بچوں کے لیے خصوصی نظم

خواب خرگوش توڑ دینا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

میں تمھیں تتلیوں سے بہلاؤں
یا پتنگیں اڑا کے پھسلاؤں
اور کیرم کی گوٹیوں کے ساتھ
وقت برباد کرنا سکھلاؤں

ایک ہی کام کر گزرنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

نانی دادی سے لوریاں بھی سن
کون کہتا ہے تجھ سے موتی چن
اتنا نادان ہوگیا ہے تو
بند آنکھوں سے گارہا ہے گن

آسمانوں کی بات کرنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

پڑھنے لکھنے سے جی چراتا ہے
گلی ڈنڈے میں جی لگاتا ہے
گیند بلّے کا تو ہے شیدائی
عمر یوں ہی گزار دیتا ہے

اب نئے راستے پہ چلنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

نیچے درجوں میں پاس ہوجانا
ننھے منوں کا سیڑھی چڑھ جانا
ہے سفر علم کا ذرا لمبا
حوصلوں سے مگر سمٹ جانا

بند ذہنوں کا اب تو کھلنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

ایک نعمت کتاب ہے تیری
یوں ہی ٹلتی نہیں پریشانی
اس سے ملتے ہیں فائدے سارے
اس کی برکت کرے گی سلطانی

چاند تاروں میں جا کے رہنا ہے
تم کو پڑھنا ہے خوب پڑھنا ہے

■

Qayyum Asar
168, Shivaji Nagar
Jalgaon - (Maharashtra)

نوشاد عالم شاد

گرمی

اُف! یہ کیسی گرمی آئی
تن من میں اک آگ لگائی
ہائے رے گرمی! ہائے رے گرمی!
جگ دیکھے تیری بے شرمی
کر دیا تونے سب کو ننگا
کام آئے اے سی نا پنکھا
ہوگئی چھٹی اسکولوں میں
پابندی لگ گئی کھیلوں میں
فقرا ہوں غربا یا بے گھر
گرمی میں سوئیں نا جی بھر
لیچی، تربوزے، یا کھیرے
اس موسم کے ہیں یہ ہیرے
دیکھو! اس میں لو چلتی ہے
حدت سے دھرتی جلتی ہے

■

Naushad Alam
13, Bustee, 3rd By Lane
Shibpur
Howra - 711102 (West Bengal)

محمد کاشف غلام ربانی

پانی

قیمتی یہ پانی یعنی آب ہے
اس سے ہی دنیا کی آب وتاب ہے

ہر کوئی انسان ہو یا جانور
جان دیتا ہے اسی کے نام پر

پینے کے بھی کام میں آتا ہے یہ
اور دریا میں بہا جاتا ہے یہ

کپڑے دھونے ہوں یا برتن مانجھنا
کام آتا ہے یہ پانی ہر جگہ

یہ کہیں ہے جھیل یا پھر آبشار
تووہ، جوہڑ یا سمندر باوقار

بیچا جاتا ہے کہیں بوتل سمیت
اس سے ہی سیراب جنگل شہر کھیت

جانداروں کی یہی ہے ابتدا
ہے نہیں ممکن حیات اس کے بنا

پیارے بچو! تم رکھو اس کو سنبھال
تاکہ مستقبل کا یہ رکھے خیال

■

Mohd Kashif Ghulam Rabnani
Akbar Chowk, Gali No. 52
Dhulia - 424001 (Maharashtra)

حمید سہروردی

تلاش

اردو کے معروف اور مقبول ادیب پروفیسر حمید سہروردی افسانے بھی لکھتے ہیں اور شاعری بھی کرتے ہیں۔ ان کی کئی اہم کتابیں چھپ چکی ہیں۔ انھیں کرناٹک اردو اکادمی ایوارڈ کے ساتھ دیگر ایوارڈ بھی دیے گئے ہیں۔ شعبۂ اردو و فارسی گلبرگہ یونیورسٹی کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ دیگر رسائل کے ساتھ وہ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ بھی بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ انھوں نے 'بچوں کی دنیا' کے لیے خصوصی طور پر یہ کہانی بھیجی ہے۔ امید ہے کہ آپ سب کو پسند آئے گی۔ (ادارہ)

رات اندھیری تھی۔ شہر کی تمام دوکانیں بند ہوگئی تھیں۔ بارش موسلادھار ہورہی تھی۔ انور، اسلم اور احمد تینوں ایک دوکان کے چبوترے پر بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ تینوں ہر شام ملتے اور رات دیر گئے تک شہر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے رہتے تھے۔ ان تینوں کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ یہ پرائمری اسکول میں ذہین طالب علم سمجھے جاتے تھے۔

انور نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور دو سال پہلے ایم اے کرلیا تھا۔ اسلم نے بی اے کی ڈگری حاصل کرکے تعلیم چھوڑ دی تھی۔ احمد نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ تینوں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود بے کاری کے دن گزار رہے تھے۔

انور نے بات شروع کرتے ہوئے کہا کہ میں نے طے کرلیا ہے کہ اب میں نوکری نہیں کروں گا۔ بہت جلد کوئی کاروبار شروع کروں گا۔

اسلم نے انور کی بات ختم ہوتے ہی کہا کہ پھر اتنی تعلیم حاصل کرنے کا فائدہ کیا ہوا۔ اس سے تو اچھا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کی بجائے تم کسی کاروبار میں لگ جاتے۔ انور نے اسلم کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ تعلیم کا مقصد ہم صرف نوکری سے جوڑ دیں۔ یہ کیا کم ہے کہ تعلیم نے ہمیں اچھے اور برے میں تمیز کرنا سکھادیا ہے۔

احمد جو، اب تک خاموش بیٹھا ہوا تھا کہا کہ اچھے اور برے میں تمیز کرنا آدمی کا تجربہ سکھاتا ہے۔

انور، احمد اور اسلم سے مخاطب ہوا۔ تم میری بات پر غور

کرو کیا ہم نوکری کی تلاش میں یوں ہی عمر کو برباد کرتے رہیں گے۔ ہاں اگر کسی کاروبار کو کرتے ہوئے نوکری مل جائے تو نوکری کر لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

اسلم کسی قدر تلخ لہجہ میں انور سے مخاطب ہوا۔تم کس دنیا کی باتیں کرتے ہو۔ہم نے جب سے بی اے کیا ہے تب سے آج تک نوکری کے لیے پچاسوں جگہوں پر درخواستیں دیں۔ کئی جگہوں پر انٹرویو دیے مگر کہیں بھی نوکری نہیں ملی۔ اب تک ہم نوکری کی آس تک نہیں رکھ سکے۔

احمد نے سخت لہجے اور مایوسانہ انداز میں کہا کہ تم دونوں نے ایم اے اور بی اے تو کر لیا مگر میں یہ بھی نہیں کرسکا۔ عمر یوں ہی گزرتی جارہی ہے اور کہیں کوئی آس تک نہیں۔ کیا ہم نے تعلیم اس لیے حاصل کی ہے کہ کاروبار کریں اور کاروبار کے لیے بھی تو رقم چاہیے۔

انور، اسلم اور احمد کو سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔ کاروبار کے لیے بہت بڑی رقم کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی کوئی چھوٹا سا کاروبار شروع کردیں۔

پان کا ڈبہ لگائیں، پیپر منٹ، اخبار فروخت کریں، میں اپنے والدین پر بوجھ بنے رہنا یا کسی کے سامنے اپنی مظلومی دکھانے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ اپنے توانا بازوؤں پر فخر کریں۔

احمد نے انور کے جملوں کو کاٹتے ہوئے کہا ''تم بکواس کررہے ہو۔'' اسلم نے بھی احمد کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ جب یہ سب کرنا تھا تو اپنی عمر کیوں خراب کردی۔

انور پھر ٹھنڈے دل سے اپنے ساتھیوں کو سمجھانے لگا۔ تعلیم ہمیں کردار سازی، اخلاق اور آداب اور سادگی کا سبق دیتی ہے۔ تم ہمت کرو اور کسی کاروبار کا انتخاب کرو۔ احمد نے جھنجھلاتے ہوئے اور اپنے بالوں کو کھینچتے ہوئے کہا تم کیا کروگے؟

انور نے بغیر کسی جھجک کے کہا میں پان کا ڈبہ لگا لوں گا۔ مجھے کام کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی۔

بارش میں کمی آچکی تھی۔ رات بھیگتی جارہی تھی۔ سڑکوں پر خاموشی طاری ہوچکی تھی۔ یہ تینوں وہاں سے اٹھے۔ کچھ دیر خاموش رہے۔ احمد نے انور سے کہا۔ تم نے پان کے ڈبے لگانے کا پکا ارادہ کرلیا ہے۔

انور نے پورے اعتماد سے کہا— ہاں میں نے یہی طے کرلیا ہے۔ احمد نے انور سے سوال کیا۔ پھر ٹھیک ہے۔ لوگ تمھارا مذاق اڑائیں گے۔ تم اپنی ڈگری کا خیال رکھو گے نہیں؟ انور نے اسی اعتماد سے کہا۔ مذاق، کیوں اڑائیں گے۔ کیا میں چوری کررہا ہوں۔ کسی کو دھوکہ دے رہا ہوں۔ کہیں ڈاکہ ڈال رہا ہوں۔ کیا میں اپنی عزت بیچ رہا ہوں— کیا میں—! احمد نے انور کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ٹھیک ہے تم پان کا ڈبہ لگاؤ۔ ہم نوکری ہی کریں گے۔

تینوں چوک میں آکر ٹھہر گئے۔ روزانہ وہ اسی چوک میں آکر اپنے اپنے گھر کی طرف چلے جاتے تھے۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھایا— اور اپنے اپنے راستوں پر ہولیے۔

دن گزرتے چلے گئے— انور نے پان کا ڈبہ لگایا، انور کا، پان کا ڈبہ دن بدن ترقی کرتا چلا گیا— اسلم اور احمد اُس کی دوکان پر آتے تھے۔ مگر ابھی بھی ان کی جیب خالی تھی——

■

Prof. Hameed Suharwardy
'Saiban" Zubair Colony
Hagarga Cross, Ring Road
Gulbarga - 585104 (Karnataka)

محمد کلیم ضیا

سادگی کی کرامت

ساجد ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ اس نے ساتویں جماعت پہلے نمبر سے پاس کی تھی۔ اس کے ابّو راج مزدور تھے۔ گاؤں میں روزانہ کام نہیں ملتا تھا۔ گاؤں اتنا چھوٹا تھا کہ یہاں پر ہائی اسکول بھی نہیں تھا۔ ساتویں تک تعلیم کا انتظام ضرور تھا، البتہ اس سے آگے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے شہر جانا پڑتا تھا۔ شہر میں ساجد کے ماموں جان رہتے تھے۔ وہ سرکاری ملازم تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ساجد کے ابّو اور امی کی خواہش تھی کہ وہ شہر میں اپنے ماموں جان کے پاس رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔

گرمی کی چھٹیوں میں ماموں جان اور ممانی جان ساجد کے گھر آئے، تین چار دن کے بعد وہ ساجد کو لے کر شہر آگئے۔ ساجد بہت سیدھا سادا، کم سخن مگر ذہین لڑکا تھا، اس کا رہن سہن، کھانا پینا، لباس اور بالوں کی تراش خراش بہت مناسب اور سب کو بھانے والی تھی۔ اس کی سلیقہ مندی دیکھ کر نہ صرف اس کے گھر والے بلکہ اس کے اڑوسی پڑوسی، اساتذہ اور اس کے ساتھی بھی عش عش کرتے تھے۔

ساری چھٹیاں ماموں اور ممانی کے ساتھ شہر میں گھومنے پھرنے میں ختم ہوگئیں۔ گاؤں سے آتے ہی اس کے ماموں ممانی نے عمدہ قسم کے دو تین جوڑی کپڑے، ایک جوڑی جوتے اور ایک جوڑی چپل دِلا دی۔ ساجد پہلے ہی سے بہت سلیقہ مند تھا، وہ جب بھی اپنے ماموں ممانی کے ساتھ گھومنے جاتا، کچھ دیکھے نہ دیکھے فلمی اشتہار (پوسٹر) پر ضرور نظر ڈالتا اور اس میں ہیرو کو بڑے غور سے دیکھتا۔ وہ گھر میں آکر فوراً ٹی۔ وی کے سامنے بیٹھ جاتا۔ چھٹیوں میں اس کا زیادہ تر وقت گھومنے اور ٹی۔ وی دیکھنے میں ہی گزرا۔ چھٹیوں میں ہی اس کے ماموں جان نے شہر کے ایک مشہور و معروف اسکول کی آٹھویں

جماعت میں اس کا داخلہ کرادیا۔ گھومنے پھرنے کے دن ختم ہوئے، اسکول کھل گئے، ساجد بھی اسکول جانے لگا۔ اسکول کے تمام بچے نظم وضبط والے، صاف ستھرے اور محنتی نظر آتے تھے، مگر ساجد کی بات ہی کچھ اور تھی۔ پوری جماعت میں وہ سب سے نمایاں تھا۔ تمام بچے اس سے دوستی کرنے کے خواہش مند۔ ہر کوئی اس کے قریب رہنے کی کوشش کرتا۔ پڑھنے لکھنے اور کام میں سب سے آگے۔ پہلی صف میں جماعت کے درمیان استاد کی میز کے بالکل سامنے والی بینچ پر بیٹھتا۔ استاد کا رویہ بھی اس کے ساتھ بہت مشفقانہ رہتا۔ کسی کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی، البتہ اس کی علاحدگی پسندی اور کم گوئی دوسرے بچوں کو ضرور کھلتی تھی۔

دن گزرتے رہے۔ ساجد پر آہستہ آہستہ شہر کے ماحول کا اثر پڑنے لگا۔ دھیرے دھیرے اس کے رویے میں تبدیلی آنے لگی۔ ایک ڈیڑھ مہینہ گزرا ہوگا کہ ساجد کے بالوں کا انداز (اسٹائل) بدل گیا۔ اب اس کے بال ایک فلمی ہیرو کی طرح ہوگئے۔ درمیان میں گھوڑے کی طرح کھڑے بال، دونوں جانب سے مانگ نکلی ہوئی، پیچھے کے بال لمبے، جس کی ایک چھوٹی سی چوٹی بنائی جا سکتی تھی۔

جیسے ہی پیر کے دن وہ اسکول پہنچا، تمام لڑکے اُسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھنے لگے۔ استاد نے بھری جماعت میں پوچھ لیا ”ساجد میاں! سب ٹھیک تو ہیں؟“۔ ساجد سمجھ تو گیا، مگر خاموش رہا۔ آج کوئی بچہ اس کے قریب نہ آیا۔ گھر پہنچا تو ممانی جان نے غور سے دیکھا اور گال پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگیں۔ کھانا کھا کر وہ قیلولہ کی غرض سے بستر پر گیا، مگر آنکھ ذرا بھی نہ لگی۔ وہ صرف کروٹیں بدلتا رہا۔ آدھے پونے گھنٹے بعد وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بستر سے اٹھا۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ وہ سنگھار دان کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا، آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اُسے چڑ سی ہونے لگی۔ اُس نے اِرادہ کیا کہ آج کے بعد وہ کبھی ایسے بال نہیں بنائے گا، یہ خیال آتے ہی اس کی بے چینی کافور ہوگئی اور وہ اطمینان سے اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہوگیا، ہوم ورک اور دوسرے دن کی تیاری کرکے، کھانا وغیرہ کھا کر رات دس بجے وہ بستر پر چلا گیا۔

پوری رات اسے خواب میں صرف بال اور بالوں کے مختلف انداز نظر آئے۔ کسی طرح دن نکلا، ساجد بستر سے اُٹھا۔ ناشتہ وغیرہ کرکے اسکول کو روانہ ہوا۔ مگر آج اس کے نخرے کچھ اور ہی بتا رہے تھے۔ آج اس نے دوسرے فلمی ہیرو کی طرح بال سجائے۔ اسکول میں داخل ہوتے ہی ایک بچے نے پیچھے سے آواز لگائی۔ ”کیا ہیرو۔ آج تو تمھارے جلوے ہی الگ ہیں یار!“ ساجد خاموشی سے اپنی کلاس کی طرف بڑھتا رہا، وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ جماعت میں داخل ہوتے ہی جماعت میں موجود تمام بچے شور مچانے لگے اور زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ ہیرو! ہیرو! کہہ کر چلانے لگے۔ گھنٹی بجی تو طوفان تھما۔ ساجد میاں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ استاد جماعت میں داخل ہوئے۔ سب تعظیم بجالائے۔ حاضری لینے کے بعد استاد ساجد سے مخاطب ہوئے۔ ”ساجد! کیا بات ہے، کسی فلم یا ٹی۔ وی سیریل میں کام کرنے لگے ہو کیا؟“ ساجد کھڑا ہوا اور اس نے جھینپتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا۔ ”نو سر!“ ٹھیک ہے بیٹھ جاؤ۔ شہر کی ہوا ہی ایسی ہے کہ اچھے اچھوں کے رنگ ڈھنگ بدل دیتی ہے، مگر تم تو لگتا ہے کہ ہوا کے دوش پر سوار ہو۔ خیر“۔ اتنا کہہ کر استاد اپنی معمول کی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے۔ ساجد کا موڈ بُری طرح خراب ہوگیا۔ استاد

جب ساجد کے تعلق سے آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے، جماعت کے تمام طلبا ساجد کی طرف متوجہ تھے اور دھیرے دھیرے مسکرا بھی رہے تھے۔ ساجد کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ میں بے چینی اور مزاج میں اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ اسکول سے چھوٹتے ہی وہ سیدھا گھر پہنچا۔ اس نے راستے میں ذرا بھی وقت ضائع نہیں کیا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ایک طرف بستہ پھینکا اور دوڑتا ہوا سنگھار دان کے سامنے جاکر کھڑا ہوگیا۔ آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اسے اپنے آپ سے چڑ ہونے لگی۔ اس نے فوراً دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنے سر کے بالوں کو بکھیر دیا۔ وہ بس رونے ہی والا تھا کہ ممانی جان اس کے لیے ناشتہ اور دودھ کا گلاس لے آئیں۔ انھوں نے پہلے تو اس کا حلیہ بغور دیکھا اور پھر پوچھا "بیٹا! کوئی خاص بات ہے کیا؟ تمھیں کوئی تکلیف ہے؟" ساجد نے جھینپتے ہوئے کہا "جی نہیں ممانی جان! سب ٹھیک ہے"...... ممانی جان کمرے سے باہر نکل آئیں۔ لیکن انھیں اندازہ ہوگیا کہ لڑکا بہت پریشان ہے اور اس کی پریشانی کا سب سے بڑا سبب اس کا فیشن اور خاص طور پر یہ موئے بالوں کا انداز ہے۔ ممانی جان کے کمرے سے باہر جاتے ہی ساجد پلنگ پر دراز ہوگیا، خلا میں گھورنے لگا۔ سوچتے سوچتے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ممکن ہے کہ بالوں کا یہ انداز میرے چہرے پر مناسب نہ لگ رہا ہو، کیوں نہ ایک مرتبہ دوسرا کوئی انداز لایا جائے! اس خیال کے آتے ہی اسے سکون مل گیا، وہ پلنگ سے اٹھا، ناشتہ کیا اور اپنے ضروری کاموں میں مصروف ہوگیا۔ وہ جب ہوم ورک کرنے بیٹھا تو بیاض اور کتاب کے اوراق پر مختلف فلمی ہیروؤں کے بالوں کا اسٹائل نظر آنے لگا۔ جھنجھلا کر اس نے کام بند کر دیا۔ مگر سوچ کی لہریں تھیں کہ کہیں تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ جب وہ سنگھار دان کے سامنے آیا تو اب کے آئینے میں اسے اپنے سر پر بالکل نئے انداز میں بال نظر آئے۔ وہ فوراً ممانی جان کے پاس پہنچا اور رُک رُک کر کہنے لگا۔ "ممانی جان! مجھے بال کٹوانے ہیں، پیسے دیجیے۔" ممانی بہت خوش ہوئیں، انھوں نے فوراً سو روپے کا نوٹ اسے تھما دیا اور یہ ہدایت بھی کر دی کہ "بیٹا! ذرا بال اچھے

کٹوانا"۔ ساجد بے چارہ جی ہاں کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا تھا...

شام ہو چکی تھی۔ ماموں جان! اپنی ملازمت سے گھر آ چکے تھے۔ وہ ساجد کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ آئے تو کھانا کھایا جائے۔ ساجد میاں ذرا دیر سے گھر میں داخل ہوئے۔ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئے، سامنے ماموں اور ممانی کو پایا، ساجد نے سلام کیا۔ مگر..... ماموں جان ساجد کے بالوں کا اسٹائل دیکھتے ہی پریشان ہو گئے۔ ایسی حالت میں ساجد اپنے والدین کے بھی سامنے چلا جاتا تو وہ بھی اسے پہچان نہ پاتے، کیوں کہ ساجد میاں نے حلیہ ہی ایسا بنا رکھا تھا۔ اب جو انھوں نے بال بنوائے تھے وہ بالکل بیا کے گھونسلے کی طرح نظر آ رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا گویا کسی نے ان کے سر پر چڑیوں کا کوئی گھونسلہ رکھ دیا ہو..... ماموں جان اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ ممانی جان نے مسکراتے ہوئے ساجد سے کہا "بیٹا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟ اچھے بچے ایسے بال بناتے ہیں؟ اب میں سمجھی کہ تم روزانہ اسکول سے آ کر پریشان کیوں رہتے ہو؟ ضرور اس میں تمھارے بالوں کو دخل ہے۔ روزانہ نت نئے انداز میں تمھارے بال دیکھ کر تمھارے اساتذہ چڑتے ہوں گے، بُرا بھلا کہتے ہوں گے اور تمھارے ہم جماعت ضرور تمھارا مذاق اڑاتے ہوں گے۔ ممانی جان نے ماموں جان کو بھی سمجھایا، سب نے مل کر رات کا کھانا کھایا، اس دوران ماموں جان بالکل خاموش رہے، ان کے چہرے سے مایوسی جھلک رہی تھی، البتہ ممانی جان کھانے کے تعلق سے ایک آدھ جملہ کہہ جاتیں اور چہرے پر مسکراہٹ کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ ساجد بھی خاموش ہی رہا۔ اس نے آج کھانا بہت کم کھایا۔

جب وہ بستر پر گیا تو وہ اپنے اندر بہت بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے پوری رات کروٹیں بدل کر کاٹی۔ صبح ضروریات سے فارغ ہو کر جب وہ اسکول کے لیے نکلا تو اس وقت بھی اس کے بال گھونسلے کی طرح تھے۔ گھر سے اسکول پہنچنے تک وہ جدھر سے بھی گزرا، لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے، ساجد ان کی چبھتی ہوئی نظریں برابر محسوس کر رہا تھا۔ جب وہ اسکول میں داخل ہوا تو بچوں کا ایک ہجوم اس کے پیچھے تھا۔ سب ایک آواز میں چلا رہے تھے ساجد! ساجد..... ساجد! دُعا کے بعد کلاس شروع ہوئی۔ کلاس ٹیچر نے آتے ہی ساجد کا جو یہ حلیہ دیکھا تو آپے سے باہر ہو گئے۔ انھوں نے فوراً ساجد کو کلاس سے باہر نکال دیا اور کہا کہ اپنے سرپرست کو بُلا کر لاؤ اور جب تک تمھارے سرپرست نہ آئیں، تم اسکول بالکل مت آنا، ورنہ میں تمھیں کلاس میں بیٹھنے نہیں دوں گا۔

ساجد نے بستہ اٹھایا اور اپنا سا منھ لے کر چل دیا۔ جیسے ہی گھر پہنچا تو ممانی جان نے وجہ جاننی چاہی تو ساجد میاں کو خوب رونا آیا۔ اس نے کہا تو کچھ نہیں مگر بس زار و قطار روتا رہا۔ ممانی بار بار پوچھتی رہیں مگر ساجد خاموش ہی رہا۔ ممانی نے بھی زیادہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا، البتہ یہ ضرور کہا کہ چلو کھانے کا ڈبہ نکالو، میں تمھیں کھانا کھلا دوں، اس کے بعد تم تھوڑا سا آرام کر لو، شاید تمھیں کچھ سکون مل جائے۔ اتنا کہہ کر انھوں نے ساجد کو کھانا کھلایا اور اسے اپنے کمرے میں سونے کے لیے بھیج دیا۔

ساجد دھڑام سے بستر پر گرا۔ اس کی سوچ کی لہریں تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں، بس وہی بالوں کا قصہ، "آخر کیا کروں! میرا بھی تو جی چاہتا ہے کہ میں اپنی مرضی سے بال رکھوں، مگر پتا نہیں لوگوں کو میرے بالوں سے کیا پریشانی ہے۔" یہ سوچتے سوچتے نیند آئی اور تھپکی دے کر چلی گئی۔ اب

ساجد گہری نیند میں بالوں کے متعلق حتمی فیصلہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگا۔ ''ایک طرف میں اکیلا ہوں اور دوسری طرف میرے شفیق ماموں جان اور ممانی جان، میرے اساتذہ، میرے ہم جماعت، میرے دوست اور میرے اڑوسی پڑوسی، غرض کہ تمام ایک طرف اور میں اکیلا دوسری طرف، کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اکیلا غلط ہوں اور یہ تمام بالکل صحیح ہیں، کیوں کہ سب تو غلط نہیں ہو سکتے۔ البتہ ایک دو کی بات الگ ہے۔ مگر اتنے سارے لوگ کیسے غلط ہو سکتے ہیں۔ نہیں اب مجھے اپنی ہی اصلاح کرنی چاہیے..... تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ ممانی بے چاری یہ دیکھنے کے لیے ساجد کے کمرے میں آئیں، کہ دیکھوں بچہ کس حال میں ہے؟ انھوں نے جیسے ہی دروازہ کھولا، ساجد کی آنکھ کھُل گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ممانی نے پوچھا۔ ''بیٹا! اب کیسا لگ رہا ہے؟ جی! اچھا لگ رہا ہے، ساجد نے کہا، ''ممانی جان! مجھے تھوڑی چائے بنا دیجیے، میرا جی چائے پینے کو چاہ رہا ہے''۔ ''اچھا بیٹا! ابھی لائی'' کہہ کر وہ باورچی خانے (کچن) میں چلی گئیں۔

ساجد جلدی جلدی اٹھا، وضو کیا، نماز پڑھی، چائے پی اور ممانی جان سے یہ کہہ کر باہر نکلا کہ میں جلدی ہی واپس آرہا ہوں..... ادھر ممانی جان ساجد کے اسکول سے جلدی لوٹنے کی وجہ سے پریشان تھیں، وہ سوچ رہی تھیں کہ یہ بات ساجد کے ماموں کو بتائے کہ نہیں! کیوں کہ اگر بتاتی ہیں تو وہ بہت پریشان ہو جائیں گے، نہ بتائے تو ساجد کے بگڑنے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ وہ اسی اُدھیڑبُن میں تھیں کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ ممانی نے جیسے ہی دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ ساجد میاں بالکل اپنے پرانے انداز میں دروازے پر کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اب ساجد وہ ساجد نظر آرہا تھا جو پہلے پہل گاؤں سے آیا تھا۔ ممانی جان نے ساجد کو فوراً اپنے سینے سے لگالیا، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، ساجد بھی رو رہا تھا۔

رات ماموں جان جب تھکے تھکے گھر لوٹے تو ساجد کو دیکھتے ہی ان کی تھکاوٹ دور ہوگئی۔ انھوں نے بھی ساجد کو اپنے سینے سے لگایا اور خوب پیار کیا۔ اب تو ساجد کی گاڑی چل پڑی تھی..... دیر رات تک جاگنے کے بعد سب لوگ سو گئے۔ ساجد کی آنکھ البتہ ذرا دیر سے لگی۔

صبح اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہو کر وہ سیدھا اسکول پہنچا۔ اب تمام بچوں کا رویہ بدل چکا تھا۔ دو ایک بچوں نے طنزیہ باتیں بھی کہیں مگر ساجد نے ایک کان سے سنیں اور دوسرے سے نکال دیں۔ دعا کے بعد کلاس میں جیسے ہی استاد آئے، ساجد کو دیکھتے ہی ان کی زبان سے نکلا ''صبح کا بھولا شام گھر آگیا۔'' ساجد کی پیٹ تھپتھپائی اور کہا ''شاباش!'' اب ساجد میاں نے تہیہ کر لیا کہ اب وہ کسی کو ذرہ برابر شکایت کا موقع نہیں دیں گے اور پوری طرح سے پڑھائی پر توجہ دیں گے۔ اور واقعی انھوں نے ایسا کر دکھایا۔ کیوں کہ ایک مہینے بعد ہی ان کے نظم وضبط اور ان کی کارکردگی کو دیکھ کر انھیں اپنی کلاس کا مانیٹر اور تمام مانیٹروں کا ہیڈ بنا دیا گیا۔ ساجد کے استاد نے سچ کہا تھا ''اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔''

''سادگی ایمان کی علامت ہے۔''

■

Dr. Mohammed Kaleem Zia
A/103, Rawal Enclave, Rawal Nagar
Opp: Rawal School & College
NR: Mira Road Station, Mira Road (E)
Distt.: Thane - 401107 (Maharashtra)

فیاض احمد

آم تو آم گٹھلیوں کے دام

بہت دنوں پہلے کی بات ہے۔ امیر پور نامی ایک گاؤں میں اجے ساؤ نام کا ایک امیر سوداگر رہا کرتا تھا۔ اجے سوداگر تھا تو بہت امیر مگر نہایت ہی کنجوس اور بدمزاج بھی تھا۔ جب بھی کوئی سائل اس کے دروازے پر آتا تو اجے ڈانٹ ڈپٹ کر اسے بھگا دیتا۔ وہ کبھی صدقہ نہیں کرتا تھا۔ گاؤں کے غریبوں کو چھوٹی چھوٹی رقم بھاری سود پر دیا کرتا اور بڑی بے رحمی سے وصول کیا کرتا تھا۔ سارا گاؤں اس سے پریشان تھا۔ نہ وہ خود اچھا کھانا کھاتا تھا اور نہ کسی بھوکے کو کبھی کھانا کھلاتا تھا مگر جب کوئی تہوار آتا تو وہ خوب سارے پکوان بنواتا اور خود ہی سارا کھانا کھا جاتا، ہاں کبھی کچھ بچ جاتا تو غریبوں کو بھی دے دیتا تھا۔ بے چارے غریب اسی بہانے تر مال کھا لیتے تھے۔ اسی گاؤں میں مانسی نام کی ایک غریب عورت اپنے دس سالہ بیٹے مونو کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ مانسی بہت غریب تھی مگر اس کے پاس وہ چیزیں تھیں جو اجے سوداگر کے پاس بھی نہیں تھیں اور وہ تھی اس کی سادگی، سخاوت اور خوش مزاجی۔ مانسی سے جتنا بن پڑتا وہ غریبوں کی مدد کیا کرتی تھی۔ وہ خود دسویں جماعت پاس تھی اور کافی ہوشیار بھی تھی۔

اجے سوداگر بڑا خوش نصیب تھا، اسے بس ایک فکر تھی، مانسی کا ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا جو اجے کے محل جیسی حویلی کے بالکل ساتھ میں تھا اور اس کی خوبصورت حویلی میں ایک بدنما داغ کی مانند محسوس ہوتا تھا۔ جب بھی اجے کے دوست شہر سے گاؤں آتے اجے کی حویلی کی خوب تعریف کیا کرتے مگر جیسے ہی ان کی نظر مانسی کے جھونپڑے پر پڑتی وہ ہنس پڑتے اور اجے کا دل ٹوٹ جاتا۔ وہ چاہتا تھا کہ مانسی اپنا جھونپڑا بیچ کر کہیں چلی جائے۔ اس کے لیے اجے نے مانسی کو کئی بار بھاری رقم کی بھی پیش کش کی مگر مانسی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ گھر اس کے شوہر کی نشانی ہے۔ اجے جب بھی اس عورت سے جگہ چھوڑنے کی بات کرتا اسے مایوسی ہاتھ لگتی۔ اجے نے سوچا مانسی کو تنگ کیا

جائے تا کہ وہ گاؤں چھوڑ کر چلی جائے۔ ایک رات اس نے مانسی کے گھر چور بھیجا کہ اس کا سارا مال اڑا لائے مگر بیچاری مانسی کے پاس تو کچھ بھی اثاثہ نہیں تھا۔

اسی طرح گرمی کا موسم آیا۔ اجے سارے آم کھاتا اور مزے کرتا۔ گاؤں کے غریب اسے حسرت بھری نگاہ سے آم کا مزہ لیتے دیکھتے۔ کبھی کبھی گاؤں کے غریب بچے پھینکے ہوئے آم کی گٹھلیوں کو چوس کر آم کا مزہ لے لیتے۔ یہ دیکھ کر بھی کنجوس اجے کے دل میں ذرا بھی رحم نہیں آتا کہ کم سے کم بچوں کو ہی ایک آدھ آم دے دے۔ وہ بڑا کنجوس تھا۔

اجے کو اس غریب مانسی کو پریشان کرنے کا ایک نیا طریقہ سوجھا۔ اپنی حویلی کے برآمدے میں بیٹھ کر آم کھایا کرتا اور بچی ہوئی گٹھلیاں مانسی کے آنگن میں پھینک دیا کرتا۔ گٹھلی کبھی کبھی تو مانسی کے سر پر لگتی مگر وہ کبھی شکایت لے کر نہیں جاتی۔

کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن اچانک گاؤں میں بھیانک زلزلہ آیا۔ اجے کا مکان چونکہ بہت اونچا تھا اس لیے پورا مکان زمین بوس ہوگیا اور اجے کو مجبوراً گاؤں چھوڑ کر اپنے بڑے بھائیوں کے پاس جانا پڑا مگر اس کے بڑے بھائیوں نے اس کی کوئی مدد نہیں کی اور اسے اپنے گھر میں رکھنے سے بھی انکار کردیا۔ اجے اب بے گھر تھا اور اس کے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ وہ دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوگیا۔ مجبوراً اس نے بھیک مانگنا شروع کردی۔ وہ شہر شہر گاؤں گاؤں بھیک مانگتا، جہاں رات ہوتی وہیں اس کا گھر ہوتا۔ کئی برس اسی طرح گزر گئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اجے پھر اپنے پرانے گاؤں کی طرف لوٹا۔ اسے وہ گاؤں اور راستہ یاد تھا۔ وہ سیدھا اپنے مکان کی جگہ پر پہنچا۔ وہ حیران رہ گیا کہ جس جگہ پر اس کا مکان تھا وہاں ایک بڑا سا آم کا باغیچہ ہے اور مانسی کے جھونپڑے کی جگہ پر ایک بڑی سی خوبصورت حویلی ہے۔ وہ سیدھا اس حویلی کے دروازے پر جاتا ہے اور بھیک کے لیے آواز لگاتا ہے۔ اندر سے ایک بوڑھی عورت صدقہ دینے باہر آتی ہے۔ وہ عورت اس غریب بھکاری کو دیکھ کر چیخ پڑتی ہے اور واپس اندر چلی جاتی ہے۔ بھکاری اجے حویلی کو نہارنے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد بڑھیا ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ڈبیا لے کر آتی ہے اور اسے اجے کو دے دیتی ہے۔ بھکاری اجے دل ہی دل میں سوچتا ہے: آج میری غریبی دور ہوجائے گی۔ وہ جیسے ہی ڈبیا کھولتا ہے تھوڑی دیر تو چپ چاپ کھڑا رہتا ہے پھر اچانک سے رو پڑتا ہے... اس ڈبیا میں آم کی ایک سوکھی گٹھلی تھی جسے دیکھ کر اجے کو برسوں پہلے کی کہانی یاد آجاتی ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ بڑھیا کوئی اور نہیں بلکہ وہی غریب مانسی ہے جس کی غریبی کا مذاق وہ اکثر اڑایا کرتا تھا۔

دراصل جب کبھی آم کی گٹھلی مانسی کے آنگن میں گرتی وہ اسے دھو کر رکھ لیتی تھی۔ اس طرح تقریباً سو آم کی گٹھلیاں اس کے پاس جمع ہوگئیں تھیں۔ اسی آم کی گٹھلیوں سے مانسی نے ایک خوبصورت آم کا باغیچہ تیار کرلیا تھا اور جلد ہی مالدار بن گئی تھی۔ اجے اپنے کیے پر بہت شرمندہ تھا۔ اس نے مانسی سے معافی مانگی۔ مانسی اسے معاف کردیتی ہے۔ مانسی اپنے جائیداد کا آدھا حصہ بھی اسے دے دیتی ہے۔ آخر گٹھلیاں تو اجے کی ہی تھیں۔

پیارے بچو! معاف کرنا سیکھو اور بدلہ لینے کی کبھی مت سوچو۔

■

Faiyaz Ahmad C/o Mahmood Tailors
South Bazar, P.O: Andal - 713321
Distt.: Burdwan (West Bengal)

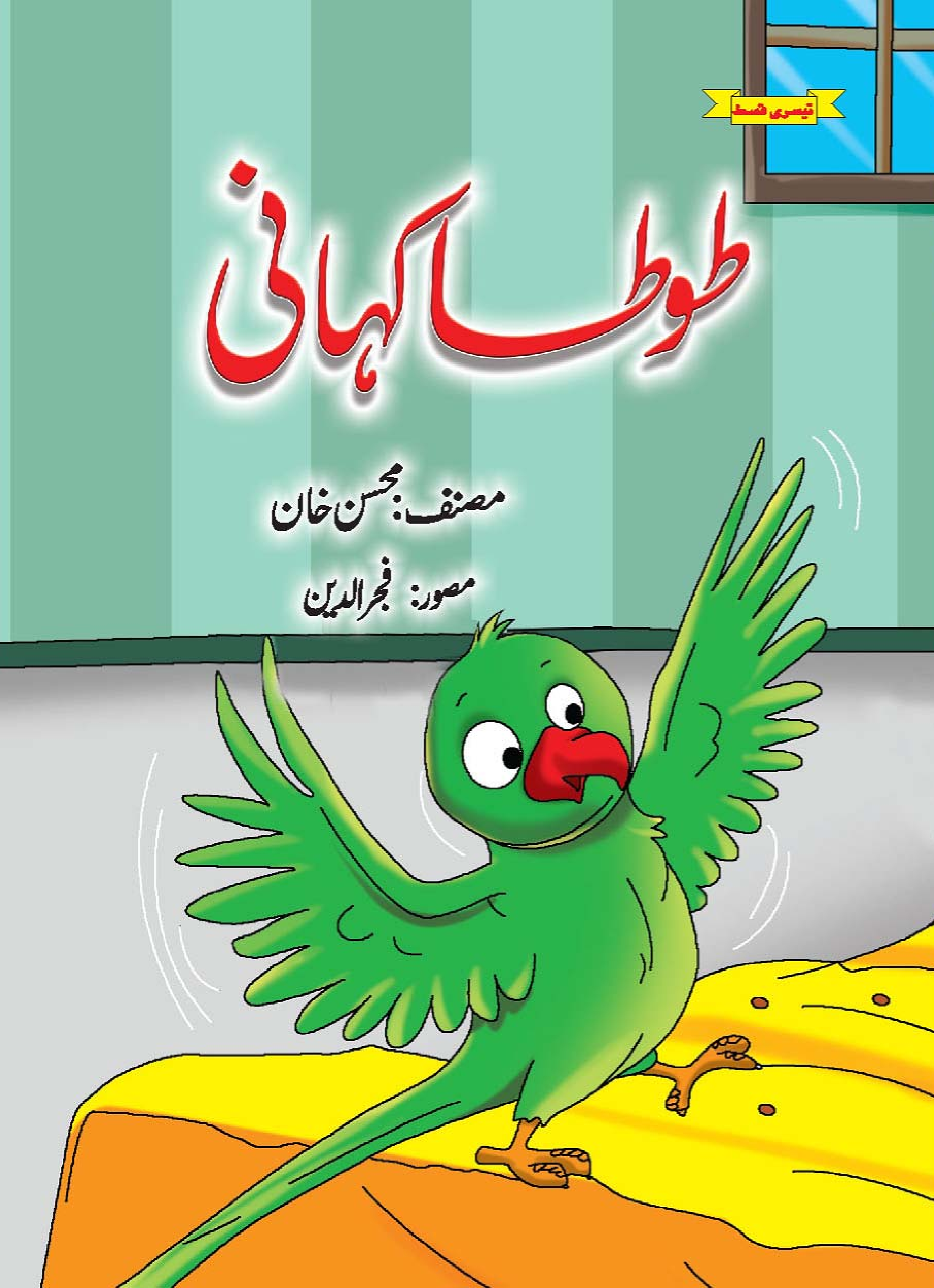
تیسری قسط
طوطا کہانی
مصنف: محسن خان
مصور: فجر الدین

دانش خوشی سے اچھل پڑا۔اس کی انگلی پر بیٹھا ہوا طوطا اپنے پروں کو پھیلا کر سنبھلنے کی کوشش کرنے لگا۔

"بہت سمجھدار ہے"۔ممی نے کہا۔

"اسے میرے پاس"۔لاؤ دادی ماں نے دانش سے کہا۔

دانش دادی ماں کے قریب بیٹھ گیا تو دادی ماں نے طوطے کی طرف جھک کر کہا۔"کہو، لا الہ الا اللہ"۔

طوطے نے گردن موڑ کر ترچھی نگاہ سے دادی ماں کی طرف دیکھا پھر چونچ سے اپنا پنجہ کھجانے لگا۔

"مٹھو میاں کہو لا الہ الا اللہ" دادی ماں نے طوطے کی طرف جھک کر کہا۔

طوطے نے اپنے سر کو ذرا جھکایا اور گردن کو پھلا کر بڑے صاف الفاظ میں بولنا شروع کیا۔ "لا الہ الا اللہ"۔

دانش کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔اس کے ممی پاپا کو بھی یہ دیکھ کر بہت تعجب ہو رہا تھا کہ اک طوطا انسانوں کی طرح صاف لہجے میں بول رہا ہے۔دادی ماں کی آنکھ میں تو خوشی کے آنسو آ گئے انھوں نے جلدی سے سر پہ دوپٹہ ڈالتے ہوئے کہا "سبحان اللہ" طوطے نے بھی کہا" سبحان اللہ "

سب لوگ طوطے سے اتنی دیر تک باتیں کرتے رہے کہ رات ہوگئی۔دانش اپنے کمرے میں جا کر ہوم ورک کرنے لگا۔ممی اور پاپا اپنے کاموں مصروف ہوگئے دادی ماں نے نماز پڑھی اس کے بعد وظیفہ اور وہ طوطے سے باتیں کرنے لگیں۔

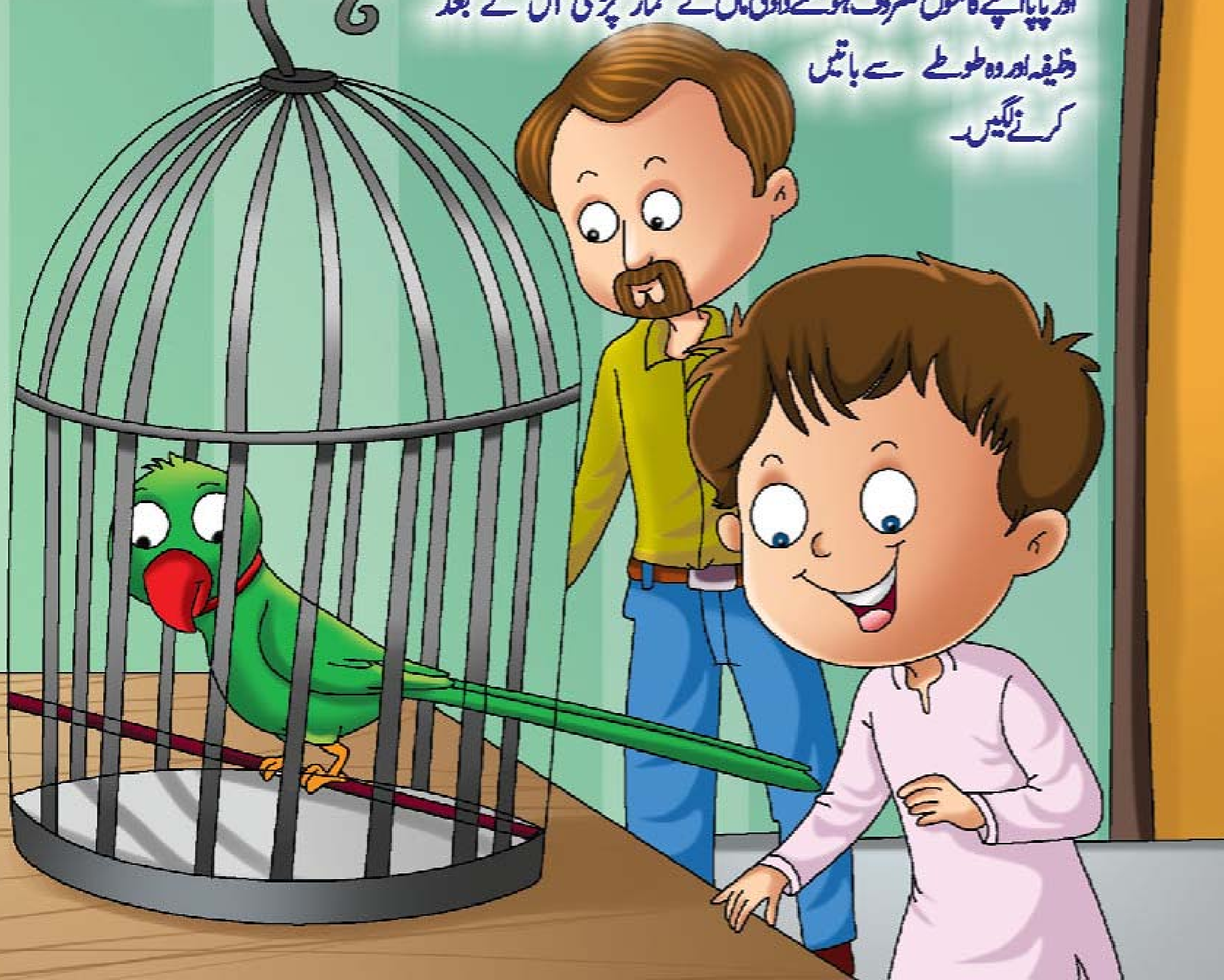

طوطا زیادہ وقت دادی کے کمرے میں رہتا۔ دانش اسکول چلا جاتا۔ ممی اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتیں تو دادی ماں طوطے سے دل بہلاتیں وہ اسے پھل کھلاتیں، اس کا سر سہلاتیں، کلمے اور دعائیں سکھاتیں۔ طوطا ان کی سکھائی ہوئی دعائیں اور کلمے پڑھتا تو انھیں بہت خوشی ہوتی۔ وہ سوچتیں طوطے کو کلمے اور دعائیں سکھا کر انھیں خوب ثواب مل رہا ہوگا۔

تھوڑے ہی دنوں میں طوطے نے کئی کلمے اور دعائیں سیکھ لی تھیں۔ وہ سلام بھی کرنے لگا تھا اور جب کوئی اسے سلام کرتا تو وہ جواب میں وعلیکم السلام کہتا۔ تعجب کی بات تو یہ تھی کہ جب مسجد سے اذان کی آواز آتی تو طوطا موذن کے ساتھ ساتھ پوری اذان دوہراتا۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ مسجد سے اذان کی آواز آنے سے پہلے ہی طوطے نے اذان دے دی اور دادی ماں کی آنکھ کھل گئی۔ دادی ماں کو طوطے سے بہت محبت ہو گئی تھی وہ نماز پڑھنے کے بعد جب بھی دعا مانگتیں تو طوطے کی صحت اور زندگی کی بھی دعا مانگتیں۔ اب طوطا بے زبان پرندہ نہیں رہ گیا تھا بلکہ سب کی طرح بولنے والا گھر کا ایک فرد بن گیا تھا۔ محلے کے بچے بھی اس عجوبے کو دیکھنے اور اس کی باتیں سننے کے لیے آ جاتے تھے۔ طوطے کے دم سے گھر میں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔

طوطے کو دانش کے گھر آئے ہوئے ابھی چند دن ہوئے تھے کہ ایک عجیب واقعہ ہوا دروازے پر دستک ہوئی۔ دانش کے پاپا نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دھوتی کرتا پہنے ایک بزرگ ان کے سامنے کھڑے ہیں۔
ان کی پیشانی پہ

تلک لگا تھا اور سر کے پیچھے ایک لمبی سی چوٹی لٹک رہی تھی وہ بزرگ سادھو معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے ساتھ آٹھ دس برس کا ایک بچہ بھی تھا ان بزرگ نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور دانش کے پاپا سے کہا۔ ”میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں“۔

دانش کے پاپا نے انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور پانی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”فرمایئے، کیسے آنا ہوا“؟

ان بزرگ نے دانش کے پاپا کو بتایا کہ ان کا نام راما نند ترپاٹھی ہے اور وہ ان کے مکان کے پیچھے بنگالی کلب کے پاس رہتے ہیں اور یہ کہ ان کے گھر میں ایک پہاڑی طوطا تھا جو اڑ کر یہاں آ گیا ہے۔ یہ بات راما نند جی کے پوتے کو محلے کے کسی بچے نے بتائی تھی۔

”جی ہاں، کئی دن پہلے ایک پہاڑی طوطا میرے گھر آ گیا تھا۔ مگر یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ آپ ہی کا طوطا ہے“ دانش کے پاپا نے کہا۔

”آپ طوطے کو میرے پاس لایئے آپ کو یقین آ جائے گا کہ وہ میرا ہی طوطا ہے“ راما نند جی نے کہا۔

دانش کے پاپا نے طوطے کا پنجرا لا کر راما نند جی کے سامنے رکھ دیا۔ راما نند جی کے ساتھ آنے والا بچہ پنجرے کے پاس بیٹھ کر طوطے کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ اس نے پنجرے کی طرف جھک کر طوطے کو چمکارتے ہوئے پوچھا۔ کیسے ہو رمن؟“ طوطے نے زور زور سے ٹیں ٹیں کی آوازیں نکالیں اور الٹا لٹک کر پنجرے کی تیلیاں کاٹنے لگا۔ راما نند جی نے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طوطے سے کہا۔ ”دیکھو تم سے ملنے کون آیا ہے“ طوطے نے راما نند جی کے الفاظ دہراتے ہوئے کہا۔ ”دیکھو تم سے ملنے کون آیا ہے“ پھر وہ اس طرح ہنسا جیسے کوئی بچہ ہنس رہا ہو اور ”بولا راہل آیا ہے“

"دیکھئے جناب۔ رامانند جی نے خوش ہو کر دانش کے پاپا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا! "اور دیکھئے ابھی یہ بھجن بھی سنائے گا" رامانند جی پنجرے کی طرف جھکے اور طوطے سے کہا بیٹے رمن! ذرا بھجن تو سناؤ"

طوطے نے پنجرے میں لٹک کر ذرا دیر قلا بازیاں کھائیں۔ پھر پنجرے کے جھولے پر بیٹھ کر گردن ذرا سیدھی کی اور سر ہلا ہلا کر بھجن گانے لگا "رام رام سیتا رام، جے جے رام سیتا رام" رامانند جی کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ ان کے ساتھ آنے والے بچے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے کرے وہ کبھی اکڑوں بیٹھ کر طوطے کو دیکھتا تو کبھی جلدی سے اٹھ کر رامانند جی کی طرف دیکھنے لگتا جیسے کہنا چاہتا ہو کہ بس طوطے کو لے کر جلدی سے گھر چلیے رامانند جی نے مسکرا کے دانش کے پاپا کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اب تو آپ کو یقین آ گیا کہ یہ میرا ہی طوطا ہے، اسے ہنومان چالیسا بھی یاد ہے آپ کہیں تو سنوا دوں"۔

دانش کے پاپا خاموش کھڑے طوطے کی طرف دیکھ رہے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ یہ تو ثابت ہو چکا تھا کہ طوطا رامانند جی کا ہی ہے۔ انھوں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر رامانند جی سے کہا "جی ہاں یہ طوطا آپ ہی کا ہے آپ اسے لے جا سکتے ہیں" دانش کے پاپا کی بات سن کر

...جاری

مصنف: جولز ورنی
مترجم: شکیل صدیقی

تیرہویں قسط

زمین کی تہہ میں

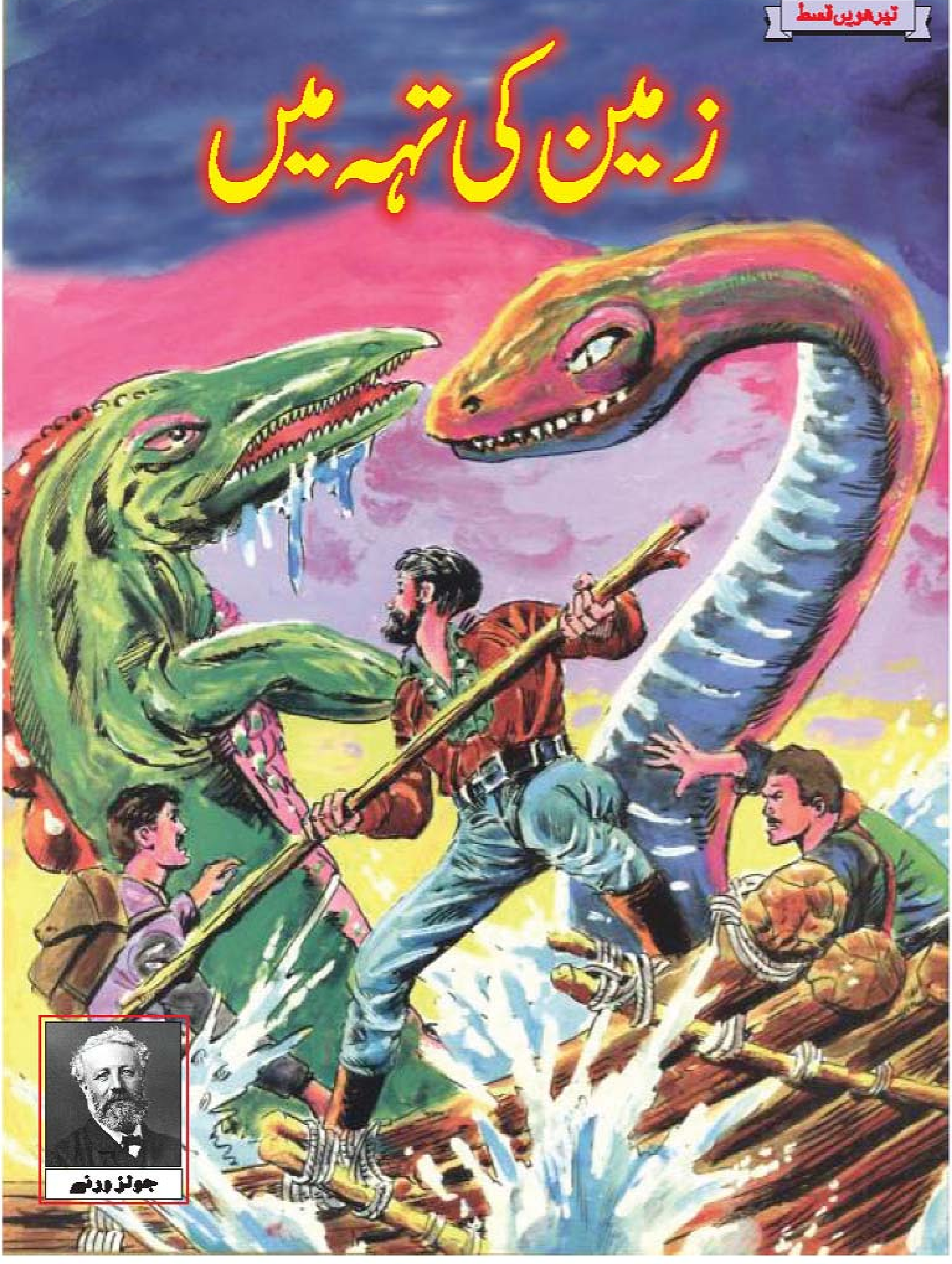

اب تک آپ نے پڑھا کہ پروفیسر لائڈین بروک معدنیات وارضیات کے ماہر تھے۔ وہ بہت قابل شخص تھے اور علاقے میں ان کی کافی عزت تھی۔ ایک دن انھیں سات سو سال پرانی کتاب ہاتھ لگی جو آئس لینڈ کی زبان میں تھی۔ پروفیسر بروک اپنے بھتیجے کے ساتھ رہتے تھے۔ چچا بھتیجے نے اس کتاب کی تحریر سمجھنے کی کوشش کی۔ بہت مشکل سے بس وہ کچھ الفاظ ہی سمجھ پائے۔ پروفیسر لائیڈن بروک کہیں چلے جاتے ہیں اور ادھر بھتیجہ اس تحریر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں چاہتے ہوئے بھی پروفیسر کو بتا دیتا ہے کیونکہ اس میں ایک خطرناک سفر پر جانے کی بات تھی۔ تحریر کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد پروفیسر نے سفر پر جانے کی ٹھان لی۔ بھتیجہ (البرٹ) نہیں چاہتے ہوئے بھی تیار ہو گیا۔ آخر کار دو دن بعد لائیڈن بروک اور البرٹ اس خطرناک سفر پر نکل گئے۔ سفر کے لیے انھیں کوپن ہیگن پہنچنا تھا اور وہاں سے آئس لینڈ۔ آئس لینڈ پہنچنے کے بعد ایک رات آرام کیا اور پھر دوسرے دن صبح وہاں کے مشہور آتش فشاں سینی فلز کا سفر شروع کیا۔ سینی فلز پانچ ہزار فٹ بلند پہاڑ تھا۔ کئی طوفان اور دیگر پریشانیوں کا سامنا کرتے ہوئے چچا بھتیجے سینی فلز کی چوٹی پر پہنچے ہیں۔ چوٹی سے اب آتش فشاں کے اندر اترنے کا خطرناک سفر شروع ہوا۔ دونوں لوگ سنبھل سنبھل کر زمین کی تہہ میں اترنے لگے۔ کئی گھنٹوں کی مشقت کے بعد دونوں تقریباً دس ہزار فٹ نیچے پہنچتے ہیں جہاں انھیں ایک عجیب وغریب منظر دکھائی دیتا ہے۔ آتش فشاں کے لاوے بکھرے پڑے تھے اور ان سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے دونوں ایک سرنگ میں داخل ہوئے اور سات گھنٹے کے سفر کے بعد وہ کھلی جگہ میں پہنچے۔ اب دونوں کے پاس پینے کا پانی بھی ختم ہونے والا تھا۔ سفر ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اور پریشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ چٹانوں سے گزرتے ہوئے وہ سب ایک سرنگ میں پہنچے۔ سرنگ سے آگے انھیں کوئلے کی ایک کان ملتی ہے۔ کان میں آگے راستہ بند تھا اس لیے واپس لوٹے، جب تک پینے کا پانی ختم ہو چکا تھا۔ پروفیسر واپس جانے کو تیار نہیں تھے جبکہ البرٹ اور ہانس کو اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ کوئلے کی کان کے بعد تانبے اور ابرق کی کانوں سے گزرتے ہوئے دو دن اور بیت گئے۔ سارے لوگ نڈھال ہو چکے تھے۔ اس درمیان ایک دریا میں پانی بہنے کی آواز آتی ہے۔ بڑی مشکل سے چٹان توڑ کر ہانس نے پانی پینا چاہا لیکن یہ دریا گرم پانی کا تھا۔ بعد میں البرٹ پروفیسر سے بچھڑ جاتا ہے اور گرینائٹ کی چٹانوں پر پہنچ جاتا ہے۔ البرٹ کی لالٹین بھی بجھ چکی تھی اور گہرا اندھیرا تھا۔ اچانک البرٹ نیچے گرنے لگتا ہے۔ جب البرٹ کو ہوش آتا ہے تو اسے دور سے چچا اور ہانس کی آواز آتی ہے جو اُسے ہی تلاش کر رہے تھے۔ سب لوگ دو دن آرام کرتے ہیں۔ پروفیسر نے کہا کہ اب تیار ہو جاؤ، سمندری سفر پر چلنا ہے۔ ہانس نے آس پاس کے درختوں کی لکڑیوں سے ایک بیڑا تیار کیا اور وہ سب لوگ اُس بیڑے میں بیٹھ کر اس عجیب وغریب سمندر میں اتر گئے جو زمین سے اٹھاسی میل نیچے تھا۔ چچا بھتیجے نے مچھلی پکڑ کر بھوک مٹائی۔ 24 گھنٹے گزر چکے تھے۔ لیکن دوسرا کنارہ اب تک نظر نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر بعد سمندر میں وہیل جیسا عجیب وغریب جانور دکھائی دیتا ہے پھر ایک دوسرا جانور پلیسوسورس نظر آیا اور ان دونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ سات دنوں کے بعد بیڑہ ایک جزیرے پر پہنچتا ہے۔ جزیرے پر کچھ وقت گزار کر پھر سے سمندری سفر پر روانہ ہو گئے۔ سمندری لہروں نے انھیں ساحل پر اچھال دیا۔ یہاں آکر پروفیسر نے اندازہ لگایا کہ اب تک وہ چھ سو پچھتر میل سفر کر چکے ہیں اور آئس لینڈ سے ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلے پر تھے۔ ساحل پر وہ سب ٹہلنے نکلتے ہیں۔ انھیں انسانی ڈھانچہ کھوپڑی ملتی ہے۔ کچھ آگے بڑھنے پر وہ ایک جنگل میں پہنچتے ہیں جہاں انھیں ہاتھی نما جانور نظر آیا۔ کچھ آگے بڑھنے پر انھیں بارہ فٹ لمبا دیو جیسا انسان ملا۔ وہ اس کی نظر میں آئے بغیر آگے بڑھ گئے۔ آگے انھیں ایک چاقو ملتا ہے اور پتھر پر اے۔ ایس کھدا ملتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ پہلے یہاں آرنی سیکسنم سیاح آچکا تھا۔ اب وہ سب واپس زمین پر آنے کی تیاری کرنے لگے۔ سرنگ میں چٹان کے گرنے سے راستہ بند تھا جسے کھولنے کی کوشش شروع کر دی گئی۔ اب آگے

غار کی تہہ میں

دوسرے دن، جمعرات 27 اگست کو ہمارا سفر نیا رخ اختیار کر رہا تھا۔ اب بھی جب مجھے وہ لمحات یاد آتے ہیں تو میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔

چھ بجے ہم بیدار ہو گئے۔ اس وقت گرینائٹ کے ٹکڑے اڑانا تھا۔ میں نے اجازت چاہی کہ میں فلیتے کو شعلہ دکھاؤں۔ ہم نے حساب لگا لیا تھا کہ جب فلیتے کو شعلہ دکھایا جائے گا تو وہ دھیرے دھیرے سلگتا ہوا بارود تک دس منٹ میں پہنچے گا۔ اس اثناء میں، میں اسے شعلہ دکھا کر واپس بیڑے پر اپنے ساتھیوں میں جا سکتا تھا۔

ہم سب نے جلدی سے ناشتہ کیا۔ پھر چچا جان اور ہانس عرشے پر واپس چلے گئے جبکہ میں کنارے پر ایک لالٹین کے ساتھ کھڑا رہا۔

"جاؤ میرے بچے۔" چچا نے کہا "اور جب اس فلیتے کو شعلہ دکھا دینا تو ہمارے پاس واپس آجانا۔"

"فکر نہ کیجیے۔" میں نے کہا۔ "میں وہاں کھیلنے نہیں بیٹھ جاؤں گا۔"

میں سرنگ کے داخلی حصے کے قریب گیا اور میں نے لالٹین کا شیشہ اٹھا کر ایک تیلی جلائی۔ چچا جان کرونومیٹر لیے ہوئے تھے۔

"تیار ہو؟" انھوں نے چیخ کر پوچھا۔

"ہاں۔ میں تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر شعلہ دکھا دو۔"

میں نے تیلی سے فلیتے کو شعلہ دکھایا اور بھاگ کر واپس کنارے تک پہنچ گیا۔

"عرشے پر آجاؤ۔ چچا بولے۔ "اور یہاں سے چلو۔"

ہانس بیڑے کو سمندر میں ساٹھ فیٹ تک لے گیا۔

یہ بہت ہیجان خیز لمحات تھے۔ پروفیسر کرونومیٹر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔" انھوں نے کہا۔ "چار..... تین..... دو..... ایک..... اب تمھارا گرینائٹ کا پہاڑ اڑنے والا ہے۔ اپنے سر نیچے کر لو۔"

پھر کیا ہوا؟ میرا خیال ہے کہ مجھے دھماکے کی آواز نہیں سنائی دی البتہ میں نے چٹانوں کو کسی پردے کی طرح کھلتے دیکھا۔ کنارے پر ایک گڑھا سا بن گیا۔ سمندر میں ایک بڑی لہر اٹھی اور اس کے ساتھ ہی ہمارا بیڑا اٹھتا چلا گیا۔

ہم تینوں منہ کے بل عرشے پر گرے۔ سمندر کی موجوں میں اتنی گھن گرج تھی کہ ہم آپس میں باتیں نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ کیا ہو چکا ہے۔ وہ چٹان جسے ہم نے بارود سے اڑایا تھا اس کے ٹوٹنے کے بعد ایک غار پیدا ہو گیا تھا۔ سمندر کا پانی تیزی سے اس میں داخل ہو رہا تھا اور ہمارا بیڑا بھی اسی طرف جا رہا تھا۔ ہر طرف تاریکی تھی۔

میری تمام امیدیں ختم ہو گئیں۔

ایک گھنٹہ گزر گیا..... غالباً دو گھنٹے گزرے۔ مجھے وقت کے گزرنے کا کوئی احساس نہیں تھا۔ ہم نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے کہ سمندر میں نہ جا پڑیں۔ بیڑا کبھی کبھی سرنگ کی دائیں بائیں دیوار سے ٹکرا جاتا تو ہم اچھل جاتے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ سرنگ یقیناً کھل چکی ہے۔ آرنی اس راستے پر گیا تھا اور ہمیں وہی راستہ اختیار کرنا تھا مگر ہم اتنے احمق تھے کہ اپنے ساتھ پورے سمندر کو لیے جا رہے تھے۔

اس وقت ہم عمودی حالت میں نیچے جا رہے تھے اور

ہماری رفتار بے حد تیز تھی۔

دھماکے کے وقت ہمارا بیٹری سے چلنے والا لیمپ ٹوٹ گیا تھا، مگر ہانس نے جلدی سے لالٹین جلالی تھی۔ اس کا شعلہ ٹیڑھا ترچھا تھا، مگر اس ہولناک تاریکی میں وہ روشنی غنیمت تھی۔ سرنگ آگے جا کر کافی چوڑی ہوگئی تھی اور اس کی دونوں دیواریں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ہم اس وقت تقریباً اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کررہے ہیں۔

میرے چچا اور میں نے مایوسی سے چاروں طرف دیکھا، بیڑے کا مستول ہوا سے ٹیڑھا ہو کر ٹوٹ چکا تھا۔ ہوا تیز تھی اس لیے ہم نے اپنی پیٹھ گھمالی۔ چند گھنٹے اسی طرح گزر گئے۔ میں نے اوزاروں کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ قطب نما اور کرونو میٹر ہی باقی بچے ہیں۔ بیڑے میں لگے ہوئے اوزار جن رسیوں سے بندھے تھے وہ ڈھیلی ہو چکی تھیں۔ سب سے ہولناک بات یہ تھی کہ خوراک کے ڈبے بھی سمندر میں گر گئے تھے۔ نمکین گوشت کا ایک ٹکڑا اور چند بسکٹ ہی ہمارے پاس بچے تھے۔

میں نے یہ ہولناک بات چچا جان کو نہیں بتائی کیونکہ میں چاہتا تھا کہ ان کا دماغ ٹھنڈا رہے اور وہ اپنے مزاج پر قابو پائے رہیں۔

تھوڑی دیر بعد لالٹین بجھ گئی۔ ہمارے پاس ایک ٹارچ تھی، مگر ہم اسے روشن نہیں کرسکے۔ میں نے کسی بچے کی طرح آنکھیں بند کرلیں۔ تاکہ چاروں طرف کی تاریکی سے مجھے ڈر نہ لگے۔

ہم نیچے ہی نیچے گرتے جارہے تھے۔ میرے چچا اور ہانس نے میرے ہاتھ تھام رکھے تھے اور بیڑا ہم تینوں کو لیے چلا جارہا تھا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ رات تقریباً دس بجے خاموشی چھا گئی۔ پانی کی لہروں کی گھن گرج اچانک ختم ہوگئی۔

''ہم اوپر جا رہے ہیں۔'' چچا چیخے۔ ''اوپر!''

میں نے اپنے بازو پھیلائے تو وہ سرنگ کی دیواروں سے ٹکرا گئے اور چٹانوں سے رگڑ کھا کر مجھے چوٹ لگی۔ ہم نہایت تیزی سے اوپر جا رہے تھے۔

''ٹارچ..... ٹارچ..... روشن کرو۔'' پروفیسر چیخے۔

ہانس نے کافی دشواری کے بعد ٹارچ جلا دی۔

''میرا خیال ہے کہ ہم جس راستے سے گزر رہے ہیں اس کی چوڑائی بیس فیٹ کے قریب ہوگی۔ پانی گڑھے کی تہہ تک پہنچ چکا ہے اور اب رفتہ رفتہ بلند ہو رہا ہے اس لیے بیڑا بھی اوپر اٹھ رہا ہے۔''

''یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے؟''

''معلوم نہیں، مگر ہمیں ہر بات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ہم بارہ فٹ فی سیکنڈ یا آٹھ میل فی گھنٹہ کے حساب سے اوپر اٹھ رہے ہیں۔ اس حساب سے ابھی ہمیں کافی فاصلہ طے کرنا ہے۔''

''جی ہاں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر راستے میں کسی چیز سے ٹکرا کر ہمارے ٹکڑے نہ ہوگئے۔''

''البرٹ!'' چچا جان نے نہایت سکون سے کہا۔ ''ہم کسی لمحے ختم ہو سکتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی کسی بھی لمحے بچ سکتے ہیں، ہمیں دونوں باتوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

''مگر اب ہم کیا کریں گے؟''

''کھانا کھائیں گے تاکہ توانا رہ سکیں۔''

''کھانا؟'' میں نے دہرایا۔ اب وقت تھا کہ میں حقیقت بتا دوں۔

''کیا؟'' میرے چچا چیخے۔ ''سب خوراک سمندر میں ڈوب گئی؟''

''ہاں۔ سوائے گوشت کے ایک ٹکڑے کے۔ کیا اب بھی آپ کا خیال ہے کہ ہم بچ جائیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

انھوں نے جواب نہیں دیا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ ہم سب کو بھوک لگ رہی تھی، لیکن کسی

میں ہمت نہیں تھی کہ وہ خوراک کے اس آخری ٹکڑے کو ہاتھ لگائے۔

ہم اب بھی تیزی سے اوپر جارہے تھے، اس کے ساتھ ہی درجۂ حرارت میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔ جو اس وقت یقیناً چالیس درجہ سنٹی گریڈ تھا۔ ہم اب تک جن تجربات سے دوچار ہوئے تھے اس کے برخلاف میں بھی یقین رکھتا تھا کہ ہم بالآخر ایسے مقام پر پہنچنے والے تھے جہاں حدت سے چٹانیں پگھل جاتی ہیں۔

''اگر ہم نہ ڈوبے اور نہ ہی کسی چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہوئے اور بھوک سے بھی نہیں مرے تو ہم جل کر مرجائیں گے۔'' میں نے پروفیسر سے کہا۔

انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک گھنٹہ اور گزر گیا جس کے دوران درجۂ حرارت کچھ اور بڑھ گیا۔ بالآخر میرے چچا نے کہا۔ ''اگر ہم موت سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا علاج کریں، اس لیے بھوک سے ہماری نقاہت بڑھ رہی ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ابھی تک ہمت نہیں ہاری!''

''یقیناً نہیں۔'' پروفیسر نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''جس انسان میں قوت ارادی ہوتی ہے وہ ناامید نہیں ہوتا ہے۔''

انھوں نے کیسا شاندار جواب دیا تھا! وہ واقعی غیر معمولی انسان تھے۔

''آپ کی کیا تجویز ہے، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

''ہمارے پاس جتنی خوراک ہے وہ ہمیں استعمال کرلینی چاہیے، ہوسکتا ہے یہ ہماری آخری خوراک ہو، مگر اسے کھا کر ہماری توانائی لوٹ آئے گی اور ہم دوبارہ انسان بن سکیں گے۔''

''ٹھیک ہے ہم کھانا کھاتے ہیں۔'' میں نے ان سے اتفاق کیا۔

میرے چچا نے گوشت اور بسکٹ کے تین برابر حصے کیے اور ہر ایک کو اس کا حصہ دے دیا۔ چچا اور میں نے اپنا حصہ کسی بھوکے اور لالچی شخص کی طرح کھایا جب کہ ہانس نے اپنی غذا کا لطف لیا اور اسے دھیمے دھیمے چبا کر کھایا۔ اسے جن کی آدھی بوتل مل گئی تھی، اس نے تینوں میں اسے تقسیم کردیا۔

مجھ میں امید کی ایک ہلکی سی روشنی پیدا ہوئی، مگر ہماری آخری خوراک ختم ہوگئی۔ صبح کے پانچ بج چکے تھے اور ہم تینوں خاموش تھے۔

میں حیران تھا کہ ہانس کیا سوچ رہا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں کنگس اسٹریٹ کے مکان کے متعلق سوچ رہا تھا کہ مجھے ولی اور مارتھا کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔

چچا اپنا کام نہیں بھولے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ٹارچ دبی ہوئی تھی اور وہ نہایت ہوشیاری سے ان چٹانوں کا جائزہ لے رہے تھے جن کے قریب سے ہم گزر رہے تھے۔ وہ ان کی ساخت سے اندازہ لگانا چاہتے تھے کہ ہم اس وقت کہاں ہیں۔

''گرینائٹ۔'' انھوں نے کہا۔ ''اب ہم ابھی پرانے زمانے میں ہیں۔ مگر ہم اوپر ہی اوپر جارہے ہیں۔ اب اس کے بعد کیا ہونے والا ہے؟'' انھوں نے جیسے خود سے سوال کیا۔

پھر انھوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر سرنگ کی چٹانوں کو چھوا آہستہ سے ان کا نام لیا اور کہنے لگے۔ ''ہم جلد ہی.....''

انھوں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میں نے وضاحت نہیں چاہی کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

درجۂ حرارت بڑھ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہیں

جیکٹ اور پھر ویسٹ کوٹ اتارنا پڑیں گے۔

"کیا ہم کسی بھٹی میں جا رہے ہیں؟" میں نے چیخ کر کہا۔

"ناممکن..... ناممکن؟" چچا نے جواب دیا۔

"یہ دیوار رفتہ رفتہ گرم ہوتی جا رہی ہے۔" میں نے دائیں طرف کی دیوار کو چھوتے ہوئے کہا۔ میرا ہاتھ اتفاق سے پانی پر گر گیا تھا۔ میں نے فوراً اس سے ہٹا لیا۔

"پانی اُبل رہا ہے۔" میں چیخا۔

میرے چچا نے غصے سے سر ہلایا۔

مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ مجھے ایک ایسا خیال آیا کہ میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے اب تک جو کچھ دیکھا تھا اس سے مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ میں صحیح ہوں۔ میں نے ٹارچ سے دیواروں پر روشنی پھینکی تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے دیواروں نے حرکت کرنا شروع کی ہو۔ اس کے علاوہ گرمی، ابلتا ہوا پانی..... میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے قطب نما دیکھنا چاہیے۔

مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قطب نما اپنے حواس کھو بیٹھا ہو۔ ■

(جاری)

ماخذ: زمین کی تہہ میں (جولز ورنے کے ناول کا ترجمہ)
مترجم: شکیل صدیقی، ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
اشتراک: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

Subscription Form "Bachon ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر........................ بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com,sales@ncpul.in, 011-26108159: فیکس 011-26109746: فون

دستخط

انصاری حفیظ الرحمن

برازیل کا شہرہ آفاق میوزیم

برازیل میں خلائی سائنس، ماحولیات اسمارٹ سٹی پلاننگ اور دیگر اہم معلومات کے سبب اور اس عظیم الشان میوزیم کی موجودگی کے سبب اب برازیل ریودی جے نی روُ نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ میوزیم بشمول اپنے تمام ڈپارٹمنٹس اور زمروں کے اندازاً 15000 مربع میٹر پر پھیلا ہے۔ اسپین کے ایک باشندے اور آرکی ٹیکٹ (سنٹیگو کالاٹرا ہوا) کے خوابوں کی یہ تعبیر بھی ہے۔ اس مشہور میوزیم اور تفریح گاہ کو پیئر موکا کے ساحل پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کی تعمیر پر 23 کروڑ خرچ ہوئے اور اس کی انتظامیہ کا نام رابرٹو میرینو ہے" 2015 (دسمبر) میں اس میوزیم کا افتتاح ملک اور بیرون ملک کی اہم ہستیوں کے درمیان ہوا تھا۔

کاسموس برانڈ، ہماری زمین اور جولوجی، اسٹرانومی، فلکیات خلائی سائنس، مستقبل میں جھانکیں، ماحولیات اسمارٹ سٹی پلاننگ، تجربات اور تجزیات کے علاوہ ایک الگ شعبہ خلائی ریسرچ کا ہے۔ اس حصہ میں کارکنان اور Vip's ہی کا داخلہ ممکن ہے۔

جدید سائنس اور ٹکنالوجی و ریسرچ سے مربوط 99 مختلف موضوعات پر پمفلٹ ڈی وی ڈی، سی ڈی اور اسکرین

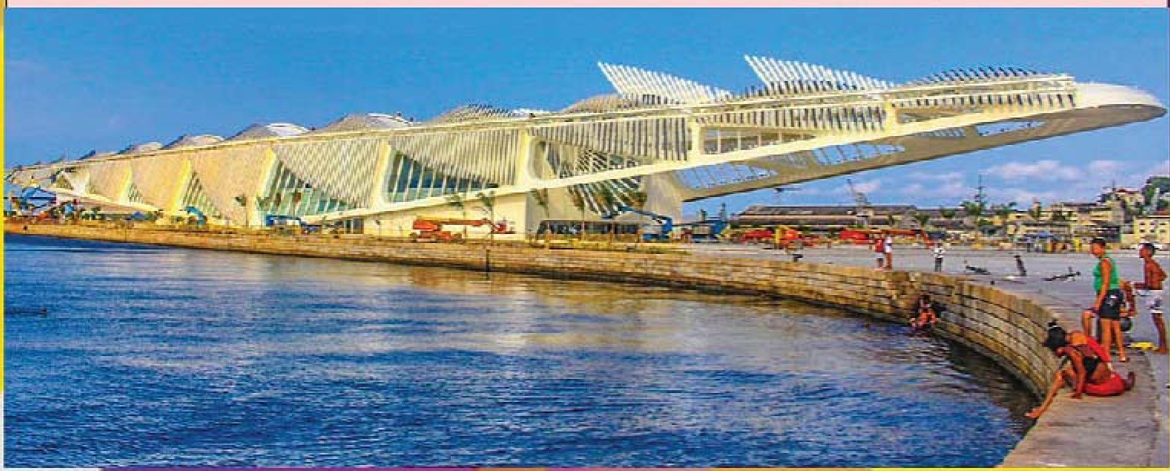

پروجیکٹر موجود ہیں۔ مختلف Audio Visual Aids کا استعمال کر کے اندر کی پوری کارکردگی بڑے پردوں پر دکھائی جاتی ہے۔ اس سارے مواد کو بک اسٹال پر فروخت کیا جاتا ہے۔

خلاء (Space) خلائی گاڑیاں، چاند اور مریخ کی معلومات، نظام شمسی اور دیگر سیاروں کی معلومات، آئندہ صدی میں ان میں ہونے والی نت نئی ایجادات اور دیگر مفید معلومات پر تبصرے بھی دستیاب ہیں۔ ایک روم ایسا ہے جسے اسپیس ہال کہا گیا ہے۔ اس میں ماڈل چارٹس اور دیگر لوازات سے پوری خلا اور نظام شمسی کا سماں باندھ دیا گیا ہے۔ اس Hall میں سیاح حیرت واستعجاب میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ جب سیاح پوری معلومات سے لیس ہو کر Exit پر آتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ اس عظیم الشان تفریح گاہ کی تعمیر طلسم ہوشربا سے کم نہیں ہے۔

گلوبل وارمنگ ماحولیات، اوزون سیٹ کا پھٹنا، فضائی اور آبی آلودگی، صوتی آلودگی، اسمارٹ سٹی اور دیگر معلومات اتنے خوبصورت انداز میں بتائی گئی ہیں کہ سیاح حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔

چونکہ یہ سمندر کے ساحل پر واقع ہے اس لیے ساڑھے سات ہزار مربع فٹ زمین مصنوعی بندرگاہ اور ہیلی پیڈ وغیرہ کے لیے Reserve رکھی گئی ہے۔ مسافر وسیاح ہوائی راستے سے آئیں زمین یا بحری سے آئیں سب کا وہاں پرتپاک خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ مخصوص عمارت 18 میٹر بلند ہے۔ آئینہ اور عدسہ گھروں میں اپنی عجیب وغریب جسامت دیکھ کر سیاح خوش ہوتے ہیں۔

دور سے دیکھنے پر یہ پورا کامپلکس الٹی کشتی جیسا ہے اور اسی الٹی کشتی کو دیکھنے ہر سال لاکھوں مسافر برازیل کا رخ کرتے ہیں۔

■

Ansari Hafeezurrahman
Sur-76, PL. No: 55, Ansar Colony
(Naya Pura Ward) Malegaon
Distt: Nasik - 423203 (Maharashtra)

سلیم خان

عقلمند گدھا

پیارے بچو! گدھے کی بے وقوفی دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اسی لیے بے وقوف آدمی کو گدھے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہم نے گدھے کی بے وقوفی کی کئی کہانیاں اور داستانیں سنی ہیں۔ لیجیے ہماری سنی ہوئی ایک کہانی آپ بھی سن لیجیے۔

نمک سے لدا ہوا ایک گدھا ندی پار کر رہا تھا۔ اچانک اس کا پیر پھسل گیا اور وہ لڑکھڑا کر پانی میں بیٹھ گیا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ نمک پانی میں حل پذیر ہے، گدھے کے بیٹھتے ہی نمک پگھل کر بہنے لگا۔ مالک نے ڈنڈا مار کر گدھے کو اٹھایا تو وہ بڑی آسانی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس طرح جب گدھے کا بوجھ ہلکا ہوا تو اسے بڑی خوشی ہوئی۔ چند روز بعد مالک گدھے کی پیٹھ پر کپاس لاد کر لے جا رہا تھا۔ ندی پار کرتے وقت گدھے کو اپنا پہلا واقعہ یاد آ گیا کہ پانی میں بیٹھنے سے بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ اور وہ فوراً ندی میں بیٹھ گیا، مگر اس مرتبہ کیا ہوا ہوگا یہ آپ بھی جانتے ہیں۔ جی، بالکل صحیح سمجھے۔ بھیگنے سے کپاس کافی وزنی ہو گئی تھی۔ اس بار مالک نے گدھے پر خوب ڈنڈے برسائے تب وہ بڑی مشکل سے اٹھ پایا۔ بڑی مصیبت سے ندی پار کی اور منزل پر پہنچتے پہنچتے اس کے دانتوں پسینہ آ گیا۔

بے شک گدھا بے وقوف جانور ہے۔ لیکن، شام لال دھوبی کا گدھا عام گدھوں سے مختلف تھا۔ وہ تیز طرار اور بڑا ہوشیار تھا۔ بگلے جیسا سفید رنگ، بڑی بڑی نیلی روشن آنکھیں اور گلے میں ترنگی پٹا۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا جیسے وہ ولایتی گدھا ہو۔ دھوبی اسے نٹور لال کہہ کر پکارتا تھا۔ دھوبی جب میلے کپڑوں کا گٹھا گدھے کی پیٹھ پر لاد دیتا۔ گدھا بغیر ہانکے اپنے معمول کے مطابق دھوبی گھاٹ کی طرف چل پڑتا۔ دھوبی کو اس کے ساتھ چلنے کے لیے لمبے لمبے قدم اٹھانا پڑتے۔ دھوبی کپڑے دھونے کے بعد سکھانے کے لیے چٹانوں پر پھیلا دیتا اور پھر کھانا کھا کر کسی پیڑ کے نیچے لیٹ جاتا۔ اس دوران گدھا ندی کنارے ہریالی اور اپنی پسند کے پودوں سے پیٹ بھر لیتا۔ جب کپڑے سوکھ جاتے دھوبی گٹھا بناتا اور گدھے کو بڑے پیار سے پکارتا، "چل میرے نٹور لال" گدھا فوراً چلا آتا اور گٹھا پیٹھ پر رکھتے ہی وہ اپنے مخصوص انداز میں جھومتے ہوئے گھر کی راہ لیتا۔

دھوبی کی نیند گہری ہوتی تھی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ واپسی کا وقت ہو جاتا اور وہ لمبی تان کر سویا رہتا تب گدھا اپنا ڈھینچوں ڈھینچوں کا الارم بجا کر اسے جگا دیتا۔ گدھے کی وفاداری دیکھ کر دھوبی خوش ہو جاتا۔ وہ اس کی پیٹھ تھپ تھپاتا، اس کی گردن پر ہاتھ پھیرتا اور اس روز اسے کوئی خاص چیز کھلا کر اس کی خاطر داری کرتا۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ دھوبی ہمیشہ کی طرح اپنا کام نمٹا کر پیڑ کی ٹھنڈی چھاؤں میں لیٹ گیا تھا۔ گرمی کا موسم تھا، اچانک آسمان پر بادل گھر آئے اور ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی۔ جب گدھے کو پہاڑ کی جانب گرد وغبار اور کالے بادل دکھائی دیے تو وہ سمجھ گیا کہ طوفانی ہوائیں چلنے والی ہیں، وہ فوراً دھوبی کے پاس پہنچا۔ دھوبی گھوڑے بیچ کر (گہری نیند) سو رہا تھا۔ اس نے تیزی سے رینکنا شروع کیا لیکن دھوبی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ گدھے نے سوچا کہ اس کی پیٹھ پر دولتی مارے، مگر اسے

خیال آیا کہ دھوبی اس کا مالک ہے اور مالک کو لات مارنا بڑی گستاخی ہوگی۔ اسی وقت اس کی نظر سامنے پڑی ہوئی نیم کی ڈالی پر پڑی۔ گدھے نے فوراً ڈالی منہ میں دبائی اور پتوں والا حصہ دھوبی کے چہرے پر پھرانے لگا۔ دھوبی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ موسم کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے جلدی جلدی کپڑے جمع کیے اور گٹھا بنا کر گدھے کی پیٹھ پر لاد دیا۔ بارش ہونے کے آثار دیکھ کر گدھے نے ایسی تیز چال بنائی کہ گھر پہنچ کر ہی دم لیا۔

دھوبی کی بیوی آنگن میں کام کر رہی تھی۔ گدھے کی حالت دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ بارش سے بچنے کے لیے وہ دوڑ کر آیا ہے۔ اس نے کپڑوں کا گٹھا اتارا۔ بوندا باندی کے سبب کچھ کپڑے بھیگ گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد دھوبی بھیگی ہوئی حالت میں گھر پہنچا۔ یہ سب دیکھ کر دھوبن نے کہا، اچھا ہوا تو دوڑ کر گھر پہنچ گیا۔ ورنہ سارے کپڑے گندے ہو جاتے۔'' پاروتی، یہ تو کچھ بھی نہیں۔ یہ کپڑے اس کی عقل مندی سے بچ گئے ورنہ طوفانی ہوا میں کٹی پتنگ کی طرح نہ جانے کہاں جاتے۔'' ''ہے بھگوان،!'' دھوبن نے اپنے کھلے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اور جب دھوبی نے گدھے کے جگانے کی روداد سنائی تو دھوبن نے گدھے کی بلائیں لے لیں، ''ارے واہ! یہ گدھا تو کسی گھوڑے سے کم نہیں ہے۔ اب میں اسے روزانہ ناشتے میں چنے کا دان کھلاؤں گی۔

''بالکل، ٹھیک کہا تم نے۔ یہ چنے کے دان کا حق دار ہے۔ کیونکہ ہمارا گدھا...؟ دونوں نے ایک آواز میں کہا، ''عقلمند گدھا ہے۔''

■

Saleem Khan Ismaeel Khan
Millat Nagar, Faizpur
Distt.: Jalgaon - 425503 (MS)

لفظ لفظ موتی

(1) حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے:

- جس کا ہنسنا زیادہ ہوتا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے۔
- جو شخص کسی چیز کی کثرت کرتا ہے اسی کے ساتھ مشہور ہو جاتا ہے۔
- جس کی گفتگو زیادہ ہوتی ہے اس کی بیہودگی زیادہ ہوتی ہے۔
- جس کی بیہودگی زیادہ ہوتی ہے اس کی حیا کم ہو جاتی ہے۔
- جس کی حیا کم ہو جاتی ہے اس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے۔
- جس شخص کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔

(2) حضرت حسن بصری کا ارشاد ہے:

دلوں کا فساد چھ چیزوں کی وجہ سے ہوتا ہے:

- اوّل یہ کہ توبہ کی امید پر گناہ کرتے رہیں۔
- علم سیکھیں اور عمل نہ کریں۔
- عمل کریں مگر اخلاص اختیار نہ کریں۔
- اللہ تعالیٰ کا رزق کھائیں اور اس کی شکر گزاری نہ کریں۔
- اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہ ہوں۔
- مردے دفن کریں اور عبرت حاصل نہ کریں۔

■

Asia Parveen M Maqsood
Vada Gaon, Balapur
Akola (Maharashtra)

منور خان جواد خان

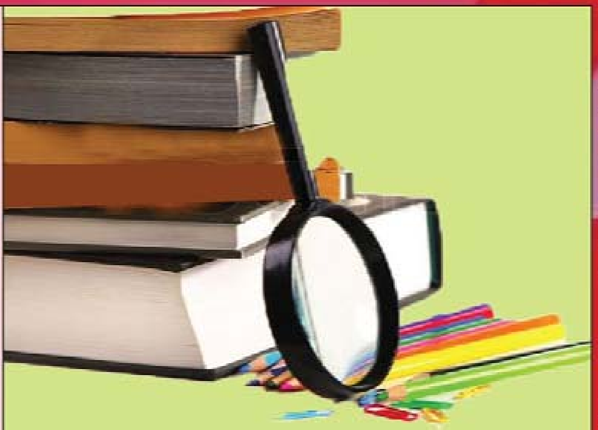

کیا آپ جانتے ہیں؟

(1) دنیا کا سب سے چھوٹا ملک ویٹکن سٹی ہے۔

(2) رقبہ کے لحاظ سے مہاراشٹر کا ملک میں تیسرا نمبر ہے۔

(3) مہاراشٹر میں کل شہر 336 ہیں۔

(4) سب سے بڑا دن 21 جون کو ہوتا ہے۔

(5) سب سے چھوٹا دن 22 دسمبر کو ہوتا ہے۔

(6) کوئلے کی پیداوار میں بھارت کا دنیا میں چوتھا نمبر ہے۔

(7) بھارت میں پہلی مرتبہ مردم شماری 1951 میں ہوئی۔

(8) بھارت میں اب تک 6 مرتبہ مردم شماری ہو چکی ہے۔

(9) ایران کا دوسرا نام 'فارس' ہے۔

(10) زمین کا کل رقبہ 510,072,000 مربع کلومیٹر ہے۔

■
Munawwar Khan Jawwad Khan
B.Z. Urdu High School
& Jr. College BSL - 425201 (Maharashtra)

محمد فرہاد اختر انصاری

مہکتے پھول

- مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔
- میں خوش رہتا ہوں اس لیے کہ کسی سے کچھ نہیں چاہتا۔
- خودکشی نہ کرنا چاہو تو اپنے آپ کو مصروف رکھو۔
- پہاڑوں کی چوٹیاں بنو جو ہر وقت ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں۔ گڑھے نہ بنو جو ایک دوسرے کو دیکھ ہی نہ سکیں۔
- شیریں کلامی سے بدترین دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔
- زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اسے اچھے اور نیک کاموں میں صرف کرو۔
- دل آئینے کی طرح صاف رکھو اور زبان شہد کی طرح میٹھی۔
- آدمی جب تک ٹوٹتا نہیں ہے۔ اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کتنا مضبوط ہے۔
- جب بھی تم بلند مقام یا منزل کو حاصل کرلو تو یہ بات یاد رکھو کہ تم نیچے سے اوپر گئے ہو۔
- جو گن کر کام کرتا ہے اس کو اجر بھی گن کر ملتا ہے۔

■
Mohd Farhad Akhtar Ansari
Class: IX, Ansar Iftekhar Higher Secondary
School, Burhanpur (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہو گئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اگلے شمارے میں تلاش کریں

محمد رافع ذاکر حسین

ندامت

ایک تھی عائزہ۔ وہ بہت ہی نٹ کھٹ اور من موجی تھی۔ ہمیشہ اپنی من مانی کرتی۔ وہ والدین کی نافرمان تھی مگر پڑھنے میں آگے تھی۔ اس کی سہیلیاں ہی اس کی کل کائنات تھی۔ باقی لوگوں کو وہ خاطر میں نہ لاتی تھی۔ استادوں کی چہیتی اور ہر فن مولا تھی۔

جب ہفتم جماعت میں داخل ہوئی تو نئے یونیفارم کی ضد کرنے لگی۔ امی نے فوراً نیا یونیفارم سلوا دیا۔

عائزہ اور اس کی سہیلیوں نے 15 اگست کو ایک ساتھ نیا یونیفارم پہننے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ اچانک 14 اگست کو زوردار بارش ہوگئی، ہر طرف جل تھل ہوگیا۔ صبح تک بوندا باندی جاری رہی۔ صبح امی نے حکم دیا کہ عائزہ آج پرانا یونیفارم پہنو، نیا یونیفارم کیچڑ میں گندا ہو جائے گا مگر وہ عائزہ ہی کیا جو بات مان لے۔ کہنے لگی ”امی میں یونیفارم کا دھیان رکھوں گی۔ ہم تمام سہیلیاں آج نیا یونیفارم پہننے والی ہیں اور میں بھی نیا ہی پہنوں گی۔“

اسکول پہنچ کر عائزہ یہ دیکھ کر بہت حیران رہ گئی کہ جن سہیلیوں کے ساتھ مل کر اس نے نیا یونیفارم پہننے کا پلان بنایا تھا سبھی پرانے یونیفام پہن کر آئی ہیں۔ عائزہ کے سوال کرنے پر سبھی نے یہی کہا کہ تم بے وقوف ہو کہ کیچڑ اور بارش میں نیا یونیفارم پہنا ہوا ہے۔ ہم احمق نہیں کہ اپنے نئے یونیفارم کو گندا کریں۔

ہر لڑکی اسے بے وقوف کہہ رہی تھی اور وہ آنسوؤں کا سمندر بہے جا رہی تھی۔

عائزہ جب جلسے کے اختتام پر اٹھ کر جانے لگی تو اس کی فراک کا پچھلا دامن بینچ کی کیل میں پھنس گیا اور جھٹکے سے اٹھنے پر آدھے سے زیادہ پھٹ کر جھولنے لگا۔ عائزہ زار و قطار رونے لگی اور دل میں پکا ارادہ کیا کہ اب امی کی باتیں ہمیشہ مانے گی۔

■

Ansari Mohd Rafey Zakir Husain
Najam Nagar, 80 Fut Road
Tringa Cowk, Dhulia - 424001 (Maharashtra)

فیضان سید شاکر

زندگی کیسی لگتی ہے؟

مفکرین اور دانشوروں نے زندگی کی اپنے اپنے انداز میں تعریف و وضاحت کی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ زندگی زندہ دلی ہے تو کسی کا کہنا ہے کہ زندگی ایک آزمائش ہے مگر دراصل 'زندگی' ہمارے لیے خدا کا ایک بہترین انعام ہے۔ ہمیں ہر آن اس نعمت خداوندی کا احساس بجا لانا چاہیے کیونکہ یہ اشرف المخلوقات کے لیے انتہائی خوب صورت اور اہم ہوتی ہے۔ زندگی رشتوں کے باہمی امتزاج اور محبت سے پروان چڑھتی ہے۔

زندگی چونکہ انسان کو فقط ایک بار ملتی ہے۔ اس لیے اس کو بھرپور طریقے سے جی لینا چاہیے۔ ہم اس دنیا میں اللہ رب العزت کے خلیفہ بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اس معبود برحق کے احکامات کی پیروی کر کے اپنی زندگی کو پرسکون اور پرلطف بنائیں۔ اس کے علاوہ دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی طور پر بھی ہماری زندگی کے مختلف مقاصد اور فرائض ہیں مثلاً بہترین تربیت اعلیٰ تعلیم کا حصول اور سب سے بڑی بات خلق خدا کی خدمت اور حسن اخلاق، ان تمام باتوں کو اگر ہم اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ زندگی انتہائی دلکش و حسین ہو جائے گی۔

لیکن ہمارے معاشرے میں بعض ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو زندگی کو بے حد مایوسی اور اداسی سے بسر کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ خوشی اور غم کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے مگر کسی بھی غم یا پریشانی پر اداس ہو کر ساری زندگی مایوسی کا شکار رہنا قطعاً غلط اور بزدلانہ عمل ہے۔ ایسے لوگ زندگی جیسی عظیم نعمت کی قدر نہیں کرتے اس لیے ہمیشہ مایوسی و کرب میں مبتلا رہ کر خود کو برباد کر لیتے ہیں۔ وہ زندہ رہ کر بھی زندہ لوگوں میں شمار نہیں ہوتے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم بھرپور طریقے سے خوش و خرم ہو کر زندگی گزاریں اور اس کا لطف اٹھائیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

■

Syed Faizan Syed Shaker
Alamin Junior College, Udgir
Distt Latur - 413517 (Maharashtra)

گلفشاں بانو بنت نثار احمد، درجہ ابتدائی الف
مرکز اصلاح خواتین دہلی

انشین مقصود، درجہ ہفتم، عائشہ صدیقہ نسواں انٹر کالج، بینا پارہ، اعظم گڑھ

مبشرہ شمیم بنت شمیم احمد، درجہ ہفتم، سر اقبال پبلک اسکول، مئوناتھ بھنجن، یوپی

محمد زید ولد شمیم احمد، درجہ چہارم
سر اقبال پبلک اسکول، مئوناتھ بھنجن، یوپی

شفا فاطمہ بنت واجد خان
نزد بلال نگر مسجد، منگرول پیر، ضلع واشم، مہاراشٹر

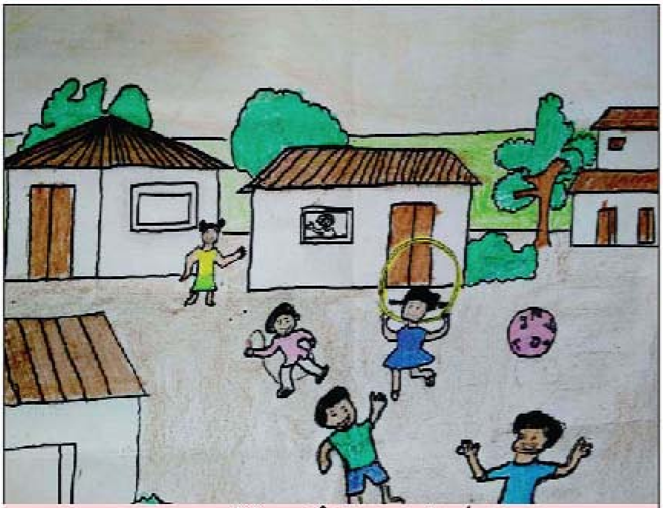

قرۃ العین معین الدین شیخ، درجہ ششم (اے)
ایس ایس اردو ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج آف سائنس، سولاپور، مہاراشٹر

آمنہ صدیقی، درجہ ششم، حسن پورہ، سیوان، بہار

مہک مختار خان، اے کے پٹیل اردو پرائمری اسکول
اورنگ آباد، تھانے، مہاراشٹر

مہک انجم داؤد خان، درجہ: چہارم
نیم گاؤں، ناندورہ، بلڈانہ، مہاراشٹر

آسیہ خان بنت بشیر خان، درجہ ابتدائی، مرکز اصلاح خواتین دہلی

فوزیہ اعجاز، ضلع پریشد اردو اسکول نیم گاؤں، مہاراشٹر

عارف شاہ ارمان شاہ، درجہ: ہفتم
فاطمہ گرلز اردو پرائمری اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

facebook اردو فیس بک

میں 'بچوں کی دنیا' کا 2013 سے قاری ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' کے سائنسی مضامین بہت پسند آتے ہیں۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ سائنس کی 'الف لیلہ' یہ قسط دوبارہ شروع کی جائے۔

محمد ضام الحق معین الحق، درجہ ہشتم، سید جمال پورہ علامہ اقبال، مہاراشٹر

میں تقریباً دو سال سے 'بچوں کی دنیا' مطالعہ کر رہا ہوں۔ آپ کی محنت اور کوشش سے 'بچوں کی دنیا' میں دن بہ دن نکھار آتا جا رہا ہے۔

شیخ وکیل شیخ فہیم، اردو ہائی اسکول، اینڈ جونیئر کالج، مالیگاؤں، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' میں پہلی دفعہ حاضر ہوئی ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت اچھا لگتا ہے۔ میں ہر ماہ یہ رسالہ مدرسے سے منگاتی ہوں۔ مجھے اس کی کہانیاں، نظمیں بے حد پسند ہیں۔ مجھے اس کا ہر ماہ بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔

آمنہ صدیقی، درجہ ہشتم، حسن پورہ، سیوان بہار

آپ کا اداریہ ہم سب بچوں کو بہت پسند آتا ہے۔ اس کے لطیفے، دنیا کے نئے تجربے کے بارے میں جانکاری سب سے زیادہ پسند آتی ہے۔ اپنے اسکول بکس میں ہم جو کچھ بھی پڑھتے ہیں وہ آپ کی میگزین میں بھی پڑھنے کو ملتا ہے جس سے معلومات میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔

زہرہ بتول، غازی پور، اتر پردیش

'بچوں کی دنیا' میرے ابو منگاتے ہیں۔ ہر مہینے پوسٹ سے آتی ہے۔ مجھے یہ بہت پسند ہے۔ اس میں اقوال بھی موجود ہیں جو بہت ہی فائدہ مند ہوتے ہیں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت اچھی لگتی ہے۔ میں اس کے ہر مہینے آنے کا انتظار کرتی ہوں۔

بشریٰ راحین بنت واجد خان، بلال نگر، منگرول پیر، مہاراشٹر

حسب معمول 'بچوں کی دنیا' پڑھا۔ دسمبر کے شمارے میں صفائی مہم کے عنوان کے تحت بہت ساری اہم اور فائدے مند معلومات حاصل ہوئیں اور سوچ وفکر کو ایک نیا زاویہ ملا مگر جب اپنے اردگرد اور اطراف میں گندگی دیکھتا ہوں تو بہت تکلیف ہوتی ہے کہ لوگ اس کے تئیں اتنی بے حسی سے کام کیوں لیتے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ گندگی نہیں پھیلاؤں گا اور ساتھ ہی صفائی کا خاص خیال رکھوں گا جو کہ میرے ایمان کا حصہ ہے اور امید کرتا ہوں کہ ایسے ہی آپ معلوماتی مضامین شائع کر کے ہماری معلومات میں اضافہ کرتے رہیں گے۔

محمد سفیان علی ابن محمد صلاح الدین، درجہ ششم، جی ایم کانونٹ اسکول، مئو یوپی

میں 'بچوں کی دنیا' کا ایک پرانا قاری ہوں جو کہ بہت پرکشش رسالہ ہے۔ 'بچوں کی دنیا' نومبر کا شمارہ بے حد پسند آیا۔ شمارے میں خاص طور سے حمد باری تعالیٰ مع حروف تہجی، 'تعزیتی کلام'، 'سچ بات' اور 'روئی کا پودا' مضامین بہت پسند آئے۔ آج کے اس دور میں زبانِ اردو کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ 'بچوں کی دنیا' کے متعلق کیا لکھوں۔ ہر شمارہ ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔

عمیر احمد ریاض الدین، 315 انعامدار پورہ، تعلقہ دریاپور، امراوتی، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

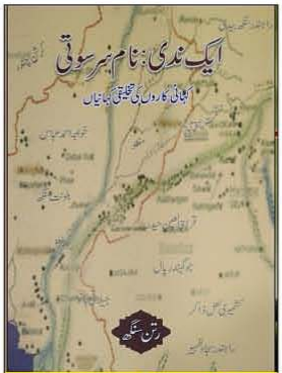

صفحات:319، قیمت:150 روپے

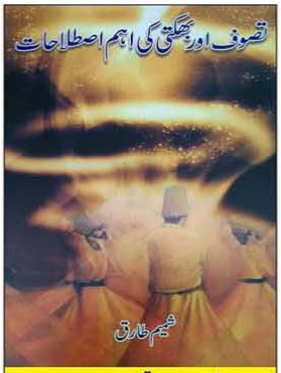

صفحات:411، قیمت:185 روپے

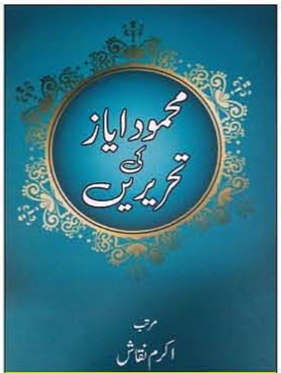

صفحات:619، قیمت:275 روپے

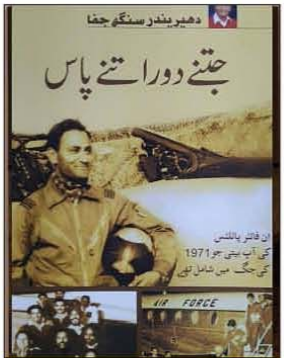

صفحات: 289، قیمت: 140 روپے

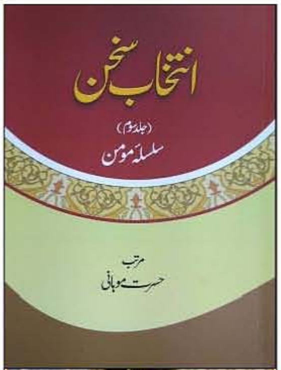

صفحات: 326، قیمت: 155 روپے

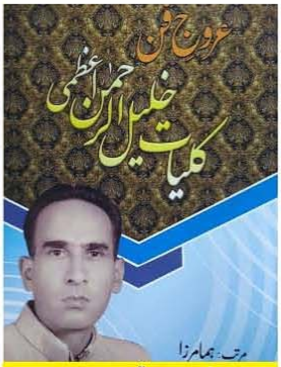

صفحات:260، قیمت:145 روپے

صفحات:1374، قیمت: 530 روپے

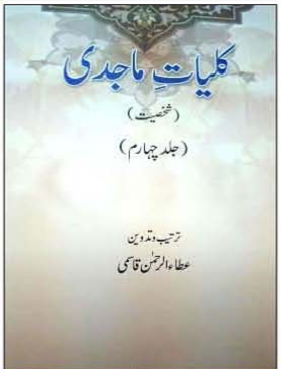

صفحات: 527، قیمت: 230 روپے

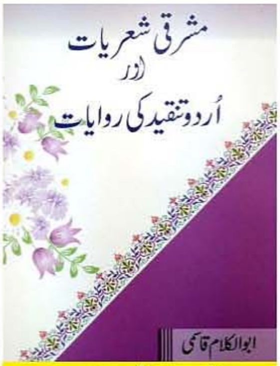

صفحات:382، قیمت: 170 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, June 2018, Vol. 06, Issue: 06
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/05/18
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

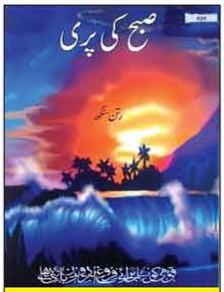

صفحات: 33، قیمت: 16 روپے

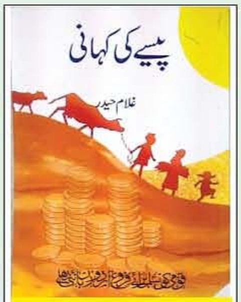

صفحات: 80، قیمت: 22 روپے

صفحات: 149، قیمت: 24 روپے

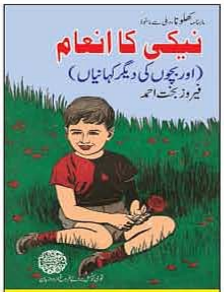

صفحات: 48، قیمت: 16 روپے

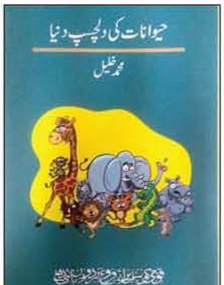

صفحات: 83، قیمت: 24 روپے

صفحات: 61، قیمت: 20 روپے

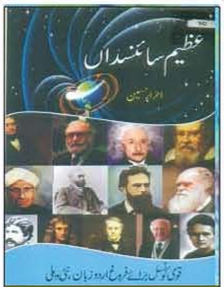

صفحات: 63، قیمت: 16 روپے

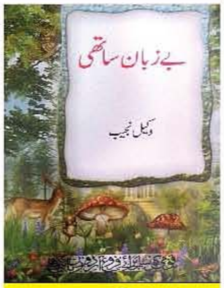

صفحات: 64، قیمت: 19 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.